فہرست

5	صائمہ اسما	ابتدا تیرے نام سے	اداریہ
7	ڈاکٹر نزہت اکرام	ہلاکت ہے	انوارِ ربانی
9	مفتی مطیع الرحمان	عورتوں کو وراثت سے محروم کرنا	قولِ نبیؐ
13	ڈاکٹر گوہر مشتاق	الیکٹرانک میڈیا کے اثرات ایک جائزہ	خاص مضمون
19	ثمینہ سعید / آسیہ شبیر	بلوچستان میں رابطہ عوام	حالات حاضرہ
21	کرامت بخاری	غزلیں	نوائے شوق
22	شمیم فاطمہ	نظمیں	
23	ام ایمان	پشیمانی	حقیقت و افسانہ
27	حمیرا ثاقب	سب کچھ لٹا کے......	
31	ہما جبین فیصل	اک لمحہ آ گہی	
33	حفصہ افضال	اجر کی میٹھی روٹی	
37	ادیبہ فریال انصاری	قیام پاکستان کی یادیں	
39	ڈاکٹر بشریٰ تسنیم	کھٹک سی ہے جو سینے میں	طویل افسانہ
47	شمیم فاطمہ	کسی شام گھر بھی رہا کرو	ہلکا پھلکا
49	قانتہ رابعہ	میری لائبریری سے	مطالعہ گاہ
55	عصمت اسامہ حامدی	اسیرانِ اسلام کی عید	نہاں خانہ دل
57	محمد متین خالد	چند باہمت نوجوان	تعلیمی دنیا
59	فریدہ خالد	بکریاں چرانا	زندگی کا فن
61	غزالہ عزیز	ریت کا ذرہ	حکمت و دانش
63	اسما ممتاز	میری ماں	خفتگان خاک
67	ڈاکٹر نجیب الحق	صحت مند زندگی کیسے	غذا و صحت
69	فائزہ سبین	ٹوٹکے	
70		شازیہ مسلم، فرح کوثر، رابی سحر، نزہت رضا، اُخت بلوچ، فرحت نورین، امیر بی بی، ڈاکٹر فرح ارشد، صوفیہ شفیع، ربیعہ ندرت، آسیہ	بتول میگزین
77		ڈاکٹر نزہت اکرام، ڈاکٹر بشریٰ تسنیم، قانتہ رابعہ، سیدہ فاطمہ گیلانی، رافعہ ناصر، رشیدہ صدف، آمنہ راحت	محشر خیال

ابتدا تیرے نام سے

قارئینِ کرام! اگست کے شدید حبس میں طویل روزے، بجلی کی کمیابی اور بڑھتی چڑھتی قیمتوں کے ساتھ، صبر و برداشت کے اس مہینے کو مزید امتحان بنا کر گزر رے۔ اندھیرے اور گرمی میں سحر و افطار کا نیا تجربہ ہوا۔ ہر صورتحال نے اجر میں اضافہ ہی کیا ہوگا۔

نو گیارہ کے واقعے کو دس برس پورے ہو گئے۔ دنیا پر یہ ایک عشرہ ایک صدی جیسا بھاری گزر رہا ہے۔ بش اور بلیئر جیسے جنگی جنونیوں اور ان کے حمایتیوں نے مل جل کر کئی خطوں کو نفرت انگیز جنگ کی آگ میں جھونک دیا۔ انسانی جان کی جتنی بے حرمتی اور قتل و غارت گری کی جتنی انتہا ہوئی، وہ دونوں عالمی جنگوں کے بعد سب سے بڑا سانحہ ہے۔ پرانے زمانوں میں دُو بدو لڑائیاں ہوتی تھیں تو خون خرابہ میدانِ جنگ تک محدود رہتا تھا۔ آج کی جدید ترین جنگی ٹیکنالوجی بجائے کہ انسانی جانوں کے کم سے کم ضیاع کے لئے استعمال کی جاتی، اُلٹا اسے تباہی کا پیمانہ وسیع تر کرنے کے کام لایا جارہا ہے۔ ہر علاقہ اور ہر انسان جنگ کے ضمن میں ایک جیسا غیر محفوظ ہو گیا ہے۔ دنیا اس وقت اُن عالمی طاقتوں کے رحم و کرم پر ہے جن کا طرزِ عمل قرآن کی اس آیت کے مصداق ہے۔

''وہ کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں، حقیقت میں یہی اصل فسادی ہیں۔''

ظلم و زیادتی اور بدی میں ایک دوسرے سے تعاون کرنے والے، اپنے مکروہ عزائم کو ایک دوسرے کی حمایت و نفرت سے پورا کرنے والے، انسانی حقوق، تہذیب، امن اور حفاظت کے نام پر انسانیت کے بدترین دشمن، آزادیوں کے نام پر انسانوں، ملکوں اور قوموں کو غلام بنانے والے، ان کے وسائل لوٹنے والے حریص، جن کو ہم جیسے مسلمان ملکوں میں اپنے کارندے وافر مقدار میں دستیاب ہو جاتے ہیں۔

گزشتہ دس برس سے جاری امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کے اہداف اس قدر واضح رہے کہ رفتہ رفتہ ساری دنیا پکار اُٹھی کہ یہ جنگ دراصل مسلمانوں کے خلاف ہے اور مسلم ممالک کے وسائل لوٹنے اور وہاں اپنا تسلط جمانے کا ایک بہانہ ہے۔ نو گیارہ سے متعلق کوئی ویب سائٹ کھول کر اس پر عوام اور طلبہ کی رائے پڑھ لیجئے، خود امریکہ اور یورپ کے عوامی حلقوں میں یہ رائے پنپنے لگی ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ جھوٹ اور دھوکہ دہی کا پلندہ ہے، نو گیارہ کا واقعہ ایک اندرونی کارروائی تھی، اسامہ بن لادن کی تلاش کو جنگ کا بہانہ بنایا گیا اور اس جنگ نے امریکہ کے خلاف نفرت کو دنیا بھر میں کئی گنا بڑھا دینے کا کام انجام دیا ہے۔

پاکستان ان دس سالوں میں امریکہ کے آگے گھٹنے ٹیک کر اپنی معیشت کا بھاری نقصان کر چکا ہے۔ انفراسٹرکچر کی تباہی، روپے کی قدر اور برآمدات میں کمی، بیرونی سرمایہ کاری سے محرومی شرح بیروزگاری میں بے حد اضافہ اور صنعتی پیداوار میں زوال ہماری معیشت کے نمایاں خدوخال بن چکے ہیں۔

آپریشنوں کے دوران فوج اور سکیورٹی اہلکاروں کے علاوہ عام شہریوں کی بے حساب شہادتیں ہوئیں۔ ڈرون حملوں کے ذریعے بے گناہوں کے قتل عام کا سلسلہ آج بھی جاری ہے اور آج تک حسب سابق کسی ''دہشت گرد'' کے خلاف تحقیقات نہیں ہوئیں۔ ہماری مسجدوں، بازاروں، اداروں اور عوامی اجتماعات میں ایک کے بعد ایک بم دھماکے جانی نقصانات کرتے رہے مگر ''سرامل جانے'' سے آگے مجرموں کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ امریکہ کے ڈراووں میں آ کر اس پرائی جنگ کو ہم اپنے گھر اٹھا لائے اور خود کو اتنی بڑی مصیبت میں ڈال لیا۔ امریکی غنڈے ہمارے شہروں میں دندناتے پھرتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں نشانہ بناتے ہیں۔

ان قربانیوں کا صلہ پاکستان کو یہ ملا ہے کہ آج یہ سرزمین توانائی کے شدید بحران کا شکار ہے۔ شرح مہنگائی ایسی ہے کہ ہر ماہ دو ماہ بعد اکثر چیزوں کا پرائس ٹیگ بدلا ہوا ملتا ہے۔ صنعتیں بند ہونے اور بیروزگاری کے نتیجے میں نفسیاتی مسائل بڑھ رہے ہیں۔ سکیورٹی کے شدید خطرات لاحق ہیں۔ امریکی بھارتی اور اسرائیلی خفیہ ایجنسیوں کا گٹھ جوڑ پورے ملک کو غیر محفوظ بنا چکا ہے اور خصوصاً بلوچستان میں اینٹی سٹیٹ عناصر کو تقویت دے کر اور کراچی میں خانہ جنگی کروا کر پاکستان کو غیر مستحکم کر رہا ہے۔ حکمران پوری طرح بے حس اور بے بس نظر آ رہے ہیں، اور خاموشی سے اپنے ہی گھر کو جلتا سلگتا دیکھ رہے ہیں۔

اب جبکہ اس نحوست کو ہم پر مسلط ہوئے دس برس ہو چکے ہیں تو پہلی بار محسوس ہوا ہے کہ زوال کے اس تیز سفر میں ہلکا سا بریک پر پاؤں پڑا ہے اور فوج میں اعلیٰ سطح پر پالیسی کی تبدیلی کے سلسلے میں کچھ ہلچل ہوئی ہے۔ اس کی وجہ ماضی قریب میں پے در پے ہونے والے واقعات ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ریمنڈ ڈیوس، پی این ایس مہران، ایبٹ آباد آپریشن، امریکہ کی طرف سے امداد کی بندش، عوام کا بڑھتا ہوا غیض وغضب، بلوچستان اور کراچی کی بدامنی وغیرہ۔

سمتِ سفر درست رہے تو اب بھی لوٹ آنا محال نہیں ہے۔ سارے مسائل اور دکھوں کے باوجود عوام کے اندر توانائی عود کر آئے گی اور امنگیں جوان ہو جائیں گی۔ گمراہی اور زوال کے اس سفر نے ساری قوم کو تھکا ڈالا ہے۔ سماعتیں کسی خوشخبری کو ترس گئی ہیں اور آنکھیں اچھے دنوں کا انتظار کرتے پتھرانے کو ہیں۔ خدا کرے واپسی کے سفر کا جلد آغاز ہو۔

کبھی لوٹ آئیں تو پوچھنا نہیں، دیکھنا انہیں غور سے
جنہیں راستے میں خبر ہوئی کہ یہ راستا کوئی اور ہے

مقبوضہ جموں کشمیر میں ہزاروں بے گناہوں کی اجتماعی قبروں کا انکشاف دل دہلا دینے والا ہے۔ نوے کے عشرے کے دوران ہونے والا یہ قتلِ عام وہاں احیائے تحریکِ آزادی کے دوران عمل میں لایا گیا۔ امریکہ کی آشیرباد سے دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کہلانے والے بھارت کے چہرے پر یہ انکشاف ایک اور بدنما داغ ہے، وہ ملک جہاں پہلے ہی انسانی حقوق اور اقلیتوں کی صورتحال انتہائی تشویشناک ہے۔ یہ اجتماعی قبریں اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ کشمیریوں کے جذبہ حریت کو بندوقوں سے کچلا نہیں جا سکتا، وہ نسلاً بعد نسلٍ اس جذبے کی آبیاری اپنے خون سے کرتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کے حقِ خودارادیت کو تسلیم کر لیا جائے اور انہیں بھارت کے غاصبانہ قبضے سے نجات دلائی جائے آپ سب کے لئے خیر و عافیت کی دعا اور نیک تمناؤں کے ساتھ اگلے ماہ تک کے لئے اجازت دیجئے۔

صائمہ اسما

ہلاکت ہے

دوسروں پر کثرتِ مال سے سبقت لے جانیکی دُھن!

سورہ التکاثر کا ترجمہ ہمیں یہی بتاتا ہے،! ان آٹھ آیات میں اللہ کی عبادت اور خوشنودی سے گریزاں انسان پر افسوس اور برہمی کا اظہار کیا گیا ہے کہ اپنے دوامی فوائد جو اللہ کو واحد مختارکل اور محتسب مان کر اُس کی خوشنودی سے حاصل ہونے ہیں، اُنہیں چھوڑ کر بنی نوع انسان نے مرتے دم تک اپنے آپ کو سامانِ عیش اور مال و دولت کے حصول میں ایک دوسرے پرفوقیت حاصل کرنے کے لئے ہی اُلجھائے رکھا۔ جونعمتیں انسان کو جسمانی و ذہنی صلاحیتوں اور دیگر مادی شکل میں بطور آزمائش عطا ہوئی تھیں جن کا یقینی طور پر حساب لیا جائے گا وہ اس سے، اس مواخذہ سے قطعی غافل ہے۔ جزا وسزا کے دن جب وہ اپنی زندگی بھر کی اس بیکار سعی وعمل کا ہولناک انجام دیکھے گا تو وہ سوائے پچھتانے کے اور کچھ نہ کر سکے گا۔

پروردگارِ عالم اس سورہ میں انتباہ کرتا ہے۔

ترجمہ: تم لوگوں کو (مال اولاد سامانِ عیش) دنیا کی چاہت میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی دُھن نے (ہر بہتر چیز بہتر عمل سے) غفلت میں ڈبو رکھا ہے یہاں تک کہ (اس میں منہمک ہوکر اور مشغول رہ کر) تم قبر کے کنارے جا پہنچتے ہو (حالانکہ کثرت کی یہ تمنا اور اس کے لئے اتنی تگ و دو تمہاری کامیابی) ہرگز نہیں ۔تمہیں جلد ہیمعلوم ہو جائیگا۔(یہ کامیابی) ہرگز نہیں ۔عنقریب تمہیں معلوم ہوجائے گا۔ ہرگز نہیں ! اگر تم یقینی علم (کی کیفیت) میں (اپنی باغیانہ روش کے انجام کو) جانتے ہوتے (تو تمہارے یہ طور طریقے نہ ہوتے) اپنے اس طرزِ عمل کی وجہ سے) تم دوزخ دیکھ کے رہو گے پھر (اچھی طرح جان لو) کہ تم بالکل یقین کے ساتھ اُسے دیکھ لو گے۔ پھر (یہ بھی سمجھ لو) ضرور اُس دن تم سے ان نعمتوں کے بارے میں جواب طلبی کی جائیگی'‘

نعمتوں کا حساب کتاب اور مواخذے کا اعلان اس طرح کیا گیا ہے کہ انسان کو پہلے اس کے اطوار کا آئینہ دکھا کر لا جواب کر دیا ہے کہ اے انسان! ہر چیز کی کثرت سے وصول کی ہوس اور اس میں دوسروں سے بڑھ جانیکا جذبہ تم پر اس قدر حاوی آ گیا ہے کہ بس دنیا کے عیش وعشرت ، مال و دولت ازواج و اولاد ہی میں پھنس کر رہ گئے ہو۔تم اس مادیت پرستی کو، مال اولاد میں دوسروں پر سبقت پا لینے کو ہی کامیابی سمجھنے لگے ہو۔ زندگی میں ان فانی اشیا سے، حکومت و اقتدار سے دوسروں پر برتری حاصل کرنے کو عروج اور کامرانی سمجھتے ہو لیکن تمیں جلدی ہی یہ معلوم ہو جائے گا کہ تم کس بیکار تگ و دو میں اپنی صلاحیتیں گنوا بیٹھے اور نعمتیں کیسے

ضائع کردیں ۔عمر کس خوش فہمی اورحسن فریب میں برباد کر ڈالی۔خدا کی عنایت کردہ نعمتوں ، صلاحیتوں ، قدرتوں اور قوتوں کوکس بے راہ روی میں صرف کر بیٹھے۔ہر عظیم مقصد کو نظر انداز کر کے کس طرح سفلی خواہشات اور مکروہ عزائم کے پیچھے بھاگتے رہے ۔دنیا ، جوتمہاری عارضی قیام گاہ تھی بلکہ امتحان گاہ تھی اُسے ہیشگی کی جگہ سمجھ کراس میں ہی کھوئے رہے ۔دائمی مقامات ، جنت ودوزخ کی طرف ذرا دھیان نہ کیا۔ جلد ہی وہ وقت آنے والا ہے جب تمہارا پروردگارتم سے اپنی تفویض کردہ ایک ایک صلاحیت ، قدرت ، ذہانت ، طاقت اور دوسری تمام نعمتوں کا ، مال و دولت کا اور اقتدار و اختیارات کا حساب تم سے لے گا۔

زرومال کیسے حاصل کیا، کہاں خرچ کیا، کس کس طرح بینک بیلنس بڑھانے میں سود درسود لیا، کیسے غبن کیا، کس سے رشوت لی ، کس کس کا حق غصب کیا ، کس کس کی جائیداد ہتھیائی ، یتیموں ، بیواؤں کی جائیداد چھیننے میں کیسی دشنام طرازی اورمنصوبہ بندیاں کیں بھتیجوں کوکس نہر میں ڈبویا ، بیٹیوں کودولت کے لالچ میں بوڑھے رئیس اوراوباشوں کے پلے باندھا ، کتنے اپنوں کے خون کئے ،کتنوں میں جدائیاں ڈلوائیں ، بچوں کی غلط تربیت سے انہیں وجہ فساد بنایا، رہزن بنایا، حصول زر کے لئے اجناس اغذیہ اورادویہ میں ملاوٹیں کر کے ناداروں اور بیماروں کی جانیں لیں، ذخیرہ اندوزی سے کتنا مال کمایا ، کالے بازار میں کیا حاصل کیا ، اپنے اختیارات کوکام میں لاکرلوگوں کے عقائد درست کیے یا غلط کاموں میں لگا کر اپنی مطلب براری کی ، اپنی قوم کے کام آئے یا اغیار سے ذاتی فائدے اٹھائے ، سائنس ، ٹیکنالوجی اور دیگر علوم سے انسانیت کو کیا فائدے پہنچائے ، دنیا کو سنوارا یا ملک کورسوائیوں اور تباہی سے دوچار کیا ، دنیاوی متاع فانی کے لئے زندگی بھر جدو جہد کرتے رہے لمحہ بھر کو یہ نہ سوچا کہ ہر شخص کا موت سے واسطہ پڑے گا اور یہ تمام زرومال جائیدادیں ، عروج و اقتدار یہیں رہ جائے گا پیارے بیٹے ، بیویاں ، مائیں ،بہنیں سب ہی موت سے ہمکنار ہوکر خدا کے سامنے جوابدہ ہوں گے ۔ ہر فرد کو اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں کا پورا پورا حساب دینا ہوگا۔اُس وقت آنکھیں کھل جائینگی کہ ہم نے کیا کیا! لیکن تب کچھ نہ ہو پائے گا بجز اس کے کہ تاسف اور پشیمانیوں میں ڈوبے ہوئے جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔

حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ ،حضرت عمرؓ اورحضرت ابوبکر صدیقؓ کو ساتھ لے کر نخلستان میں تشریف لے گئے جس کے مالک ایک انصاری تھے وہ بہت خوش ہوئے اور مہمانوں کی تواضع کے لئے کھجوروں کا ایک بڑا خوشہ لاکر پیش کیا کہ اس میں سے حسب پسند کھجوریں اپنے ہاتھ سے توڑ کر تناول کریں۔حضوراکرمؐ اورساتھیوں نے چن چن کر کھائیں ٹھنڈا پانی پیا۔سیر ہوکر رحمت عالمؐ نے میزبان کو یاددلایا۔

''یہ خوشگوار سایہ ، یہ خوش ذائقہ ٹھنڈا ٹھنڈا پانی اور کھجوریں ، وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں تم سے سوال کیا جائے گا ، قیامت کے دن تمہیں اس کی جوابدہی کرنی ہو گی۔''

اس مثال سے واضح ہو جاتا ہے کہ نعمتوں کی جوابدہی صرف کفار منافق اور منکرِ آخرت سے ہی نہیں ہو گی بلکہ مومنین اور صالحین بھی ہر نعمت کے لئے جوابدہ ہوں گے۔

وہ خوش نصیب جنہوں نے اپنے رب کی عطا کردہ نعمتوں کا صحیح مصرف کیا ہوگا حساب میں سرخرو ہو کر اللہ کے مہمان بنیں گے۔ جیسا کہ سورۃ لقمان کی پہلی پانچ آیتوں میں خالقِ کائنات کا فرمان ہے۔

''الم۔ یہ کتابِ حکمت کی آیات ہیں (جو) ہدایت اور رحمت ہیں نیک عمل کرنے والوں کے لئے (اور ان کی یہ صفات بھی ہیں) جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔''

اس کی شکر گزاری اور عبادت اخلاص کے ساتھ کرتے ہیں اپنے مال میں سے زکوٰۃ نکال کر غریبوں مسکینوں ناداروں کی مدد کرتے ہیں اور انہیں یقین کامل ہے کہ وہ آخرت کے دن خدا کی دی ہوئی نعمتوں، سہولتوں اور مہلت کے لئے جواب دہ ہونگے اس لئے وہ اس دن کی تیاری کر کے فلاح کے حقدار ہوں گے۔ رحمان و رحیم خدا نے قرآنِ حکیم میں جا بجا اپنی نعمتوں اور انعامات کا ذکر کیا ہے اور عذاب کی ہولناکیوں سے بھی آگاہ کیا ہے۔ ہمیں اپنے ماحول، حیثیت اور ذاتی تشخص کے مطابق اپنے اپنے درجات اور صلاحیتوں کے مطابق اپنا جائزہ لے کر خود کو جواب دہی کے لئے تیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ ہم اس کے انعام کے مستحق ہو سکیں جو ہمیں انعامات سے نوازنا چاہتا ہے، جس نے اس زندگی میں بھی ہمیں انعام عطا کئے ہیں اور یہ انعامات یہ نعمتیں ہماری آزمائش کا ذریعہ ہیں۔ بس ہمیں اس آزمائش میں سبقت حاصل کرنے اور عظیم کامرانی کے لئے تگ و دو کرنی چاہیے۔ اس عارضی اور فانی دنیا میں کیا رکھا ہے!

عورتوں کو وارثت سے محروم کرنا

زمانۂ جاہلیت کا ایک رواج جو آج بھی ہمارے ہاں پایا جاتا ہے

دنیا میں ظلم کی بہت سی قسمیں ہیں اور ہر قسم کے ظلم کو برا ومعیوب سمجھا جاتا ہے۔حکومت کا رعایا پر ظلم،فوج پولیس کا بے جا ظلم،آقاؤں کا اپنے غلاموں پر ظلم،سیٹھ لوگوں کا اپنے نوکروں پر ظلم، بڑوں کا چھوٹوں پر ظلم، پڑوسی کا پڑوسی پر ظلم، طاقتور لوگوں کا کمزوروں پر ظلم،عوام الناس کا ایک دوسرے پر ظلم، انسان کا اپنی جان پر ظلم وغیرہ وغیرہ۔ظلم کی بے شمار قسمیں مشہور ومعروف ہیں لیکن ہمارے معاشرے کا ایک ظلم ایسا ہے جس کو ظلم نہیں سمجھا جا رہا ہے اور اس میں اچھا خاصا وہ طبقہ مبتلا ہے جن کو دیندار سمجھا جاتا ہے اور وہ بھی اپنی دینداری پر بڑے مطمئن ہوتے ہیں کہ ہم تو حاجی نمازی زکوتی ہر گناہ سے پاک صاف ہیں لیکن شیطان نے انہیں ظلم کے گناہ کبیرہ میں مبتلا کیا ہوا ہوتا ہے۔انجانے اور جانے بوجھے میں دونوں نوعیتیں ہیں بعض لوگ جانتے ہی نہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور بعض جانتے ہوئے بھی غافل ہوتے ہیں جب کہ وہ ظلم اتنا خطرناک ہے کہ شاید اس کے ہوتے ہوئے نہ کوئی نماز قبول ہو نہ زکوۃ نہ حج نہ کوئی صدقہ خیرات۔وہ کونسا ایسا خطرناک ظلم ہے؟ اور اس کا مظلوم کون ہے؟ وہ ظلم ہے وراثت کے معاملہ میں صنف نازک پر بہن بیٹی بیوی ہونے کی صورت میں وراثت سے محروم کر کے ان پر ظلم کرنا جبکہ یہ طریقہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے اور زمانہ جاہلیت میں رائج تھا کہ وہ وراثت میں عورت نامی مخلوق کو پوچھتے تک نہ تھے۔اسی جاہلی سنت پر آج مسلمانوں کا اکثر حصہ عمل پیرا ہو کر حقوق العباد کے عظیم اور مہلک وبال کا بار گراں اٹھائے اپنی موت اور قیامت کے دن کی طرف کشاں کشاں بڑھ رہا ہے۔اسلام کے نام لیوا قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں اور تلاوت کے درمیان سورۃ نساء کی آیت نمبر 7 کا یہ پہلا حصہ پڑھتے ہیں:۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ص

’’مردوں کے لئے حصہ مقرر ہے اس چیز میں سے جو ان کے والدین اور قریبی رشتہ دار نے مرتے وقت چھوڑا ہے۔‘‘

اور ماشاء اللہ اس پر عمل کرتے ہیں چونکہ اس پر عمل کرنے میں مردوں کا دنیاوی فائدہ ہے اس لئے ہر ایک اس پر خوب عامل ہے لیکن اس سے متصل آیت نمبر 7 کا بقیہ حصہ:۔

وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ (النساء)

’’کہ جو کچھ والدین یا قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہے اس میں عورتوں کا بھی حصہ ہے‘‘

آیت کے اس جملہ سے امت مسلمہ نے گویا نعوذ باللہ

بائیکاٹ کر رکھا ہے اور اس پر اپنے نفاق و عصیان کا قلم پھیر دیا بلکہ عام مسلمانوں کے عمل سے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ گویا آیت کا یہ حصہ منسوخ ہوگیا اور صرف تلاوت کی حد تک باقی رہ گیا ہے۔

پھر قرآن کے اسلوب کو دیکھئے کہ للرجال وللنسا کو جمع کر کے ایک ہی جملہ میں مختصر الفاظ میں ان کا حق بیان ہوسکتا تھا لیکن اس کو اختیار نہیں کیا بلکہ مردوں کے حقوق کو جس تفصیل کے ساتھ بیان کیا، اسی تفصیل کے ساتھ عورتوں کا حق جداگانہ بیان فرمایا تاکہ دونوں کے حقوق کا اہم و مستقل ہونا واضح ہوجائے (معارف القرآن :2/311) بلکہ مزید آگے چل کر جہاں حصے متعین کئے وہاں لڑکیوں کے حصے کو اصل قرار دے کر اس کے اعتبار سے لڑکوں کا حصہ متعین کیا کہ **للذکر مثل حظ الانثیین** جتنا دولڑکیوں کو ملے اتنا ایک لڑکے کو ملے گا حالانکہ یوں بھی کہا جاسکتا تھا **للانثیین حظ الذکر** کہ جتنا ایک لڑکے کو ملے، اتنا دولڑکیوں کو ملے گا۔ عام مسلمان تو ایک طرف ہے، بہت سے اچھے دیندار اور کافی مذہبی سمجھے جانے والے گھروں سے بھی اس اہم مسئلے کے متعلق تغافل پایا جاتا ہے کہ ہزاروں لاکھوں روپیہ خرچ کر کے دین کی اشاعت اور سر بلندی کی خاطر اندرون وبیرون ملک سفر کرنے والے بعض لوگ اپنی بہنوں کو والد کے ترکہ میں سے ایک کوڑی بھی نہیں دیتے الاماشاءاللہ، ہر سال حج کرنے جارہے ہیں، عمرہ پرعمرہ ادا کررہے ہیں اور ساتھ ہی بہن کا حصہ ہڑپ کئے ہوئے ہیں۔ دین کو صرف نماز روزہ زکوۃ میں مضمر سمجھ لیا اگرچہ ہمارے لئے کسی کا عمل حجت نہیں کہ کوئی کچھ بھی کرے لیکن عوام الناس تو دینداروں کے عمل کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں، ان کو لاکھ کوئی سمجھائے وہ یہی جواب دیتے ہیں اگر یہ حصہ دینا اتنا ہی ضروری ہے تو ہمارے علاقہ کے فلاں بزرگ دیندار امیر صاحب حاجی صاحب نے تو نہیں دیا ہم کیوں دیں کہ پورے علاقہ میں ان کے لئے کوئی ایک بھی شخصیت اسوۃ حسنہ کے طور پر ایسی نہیں ہوتی جسے مثال بنایا جاسکے۔ اس کے ساتھ ساتھ شیطان جو ہمارا کھلا دشمن ہے، وہ ہمیں مختلف حیلے بہانے سکھاتا رہتا ہے اور ہم اس کے مشورے مانتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے لوگوں کا خیال و ذہنیت اس مسئلہ سے متعلق جو بن گئی ہے، وہ درج ذیل ہے۔

۱۔ میرے گھر میں بھی تو کسی کی بہن ہے (یعنی میری بیوی بھی بھائیوں سے حصہ لینے کا حق رکھتی ہے) جب میرے سالے میری بیوی کو کچھ نہیں دیتے تو میں اپنی بہن کو کیوں دوں۔

۲۔ بعض کو نفس یہ پٹی پڑھاتا ہے کہ اپنی بہنوں کو عید شادی وغیرہ خوشی کے مواقع میں بلا کر کچھ ہدیہ (کپڑے کا جوڑا وغیرہ) دیدیا کرو یہ ہی کافی ہے، آگے میراث کے بکھیڑوں میں نہ پڑو اس سے فتنہ پیدا ہوگا۔

۳۔ بعض شرفا کے دل میں یہ خیال ومشورہ شیطان ڈال دیتا ہے کہ دس بارہ سال تک ہمارے والد نے یا بھائیوں نے جو اس بہن کی تعلیم پر خرچہ کیا ہے، اس کا ہمیں کیا فائدہ ہورہا ہے، اسی کو فائدہ ہورہا ہے، لہٰذا وہ خرچ ہی وراثت ہوگیا۔

۴۔ایسے تو بہت ہیں جن کا استدلال یہ ہے کہ ہم نے اپنی بہنوں کو جہیز میں کیا کچھ نہ دیا جو آج وراثت میں اپنا حصہ الگ مانگ رہی ہے اسے شرم نہیں آتی) اس جیسے اور بہت سے بہانے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ وقتاً فوقتاً عید وغیرہ کے مواقع پر بہنوں کو ہدایا دینے کا دستور ہے ، وہ اس کے عوض اپنا میراث کا حصہ بھائیوں کو دے دیتی ہیں ۔ یہ خیال بھی غلط ہے اس لئے کہ اس پر بہنوں کی رضامندی نہیں پائی جاتی بلکہ وہ رواج کے مطابق مجبور ہیں ۔غرض یہ حرام کو حلال بنانے اور بے زبان مظلوم بہنوں کا حصہ میراث ہضم کرنے کے لئے جو چالیں بھی چلائی جاتی ہیں ، سب مردود ہیں ۔ کہ غور کرنے کی بات ہے کہ جب قرآن نے واضح طور پر **نصیبامفروضا**(مقرر کیا ہوا حصہ) اور **فریضة من اللہ** اللہ کی طرف سے فرض اور مقرر کیا ہوا حصہ) کہہ دیا تو اس میں کمی بیشی کا کسی کو حق نہیں اور یہ مومن کی شان سے بعید ہے کہ ان حصص کے اندر تغیر وتبدل کرے۔مزید یہ کہ اگر بہنوں کا مقررہ حصہ ان کو دے دیا جاتا ہے تو یہ ان کے ساتھ کوئی احسان کا معاملہ نہیں بلکہ یہ تو ان کے لئے براہ راست اللہ کی عطا ہے جو والدین کے ترکہ میں بیٹی ہونے کی حیثیت سے ان کا حق ہے جو اللہ نے مقرر کیا ہے اور وہ اسے لے کر ہی رہے گی ۔ یہاں نہیں تو روز محشر عدالت لگے گی جہاں ہر نفس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی کے حق میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی ۔ وہاں تو وہ بہن بھائیوں سے اپنا حق لے کر رہے گی ۔ اس موقع پر بہت سے والدین اور بھائیوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ سب کاروبار تو میری اولاد نے یا ہم بھائیوں نے محنت کر کے چمکایا، بڑھایا، ترقی دی، جائیدادیں بنائیں، آج جب تقسیم کا وقت آیا تو بہنوں کو بغیر محنت کئے ویسے ہی حصہ نکال دیں یہ ان کی بہت بڑی خام خیال ہے کہ انہوں نے سب کچھ اپنی محنت کے بل بوتے پر سمجھ لیا۔اللہ کی دین اور اس کے عطا کو کچھ سمجھا ہی نہیں کہ اگر محنت ہی سب کچھ ہے تو آج محنت کرنے والا مزدور سب سے زیادہ مالدار ہوتا لیکن ایسا نہیں ۔ آپ کو کیا معلوم کہ آپ کو سب کچھ اس کمزور بہن کی بدولت مل رہا ہو،لہٰذا جو بہن اپنا حق مانگ رہی ہے وہ بے غیرت نہیں ، بے غیرت وہ بھائی ہے جو اللہ کے مقرر کردہ حق سے اپنی بہن کو محروم کر رہا ہے ۔ وہ بے چاری تو اپنا حق مانگ کے آپ پر احسان کر رہی ہے کہ آپ کو اللہ کے عذاب اور آخرت کے مطالبہ سے بچا رہی ہے ۔ آپ اس کو دے کر احسان نہیں کر رہے،آپ تو اس کا حق اس کو دے رہے ہیں ۔

یہاں آخر میں ایک اور حیلہ کا ذکر بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ لوگ والد کے انتقال کے فوراً بعد یا چند برس گزرنے پر اپنی بہنوں سے سرکاری کاغذات (محکمہ مال کے رجسٹرات و اندراجات) میں ان کا حصہ اپنے حق میں معاف کرا لیتے ہیں اور اس حیلے کے وقت بہن کو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اس کے والد کا کل ترکہ کتنا ہے؟ منقولہ وغیر منقولہ جائیداد کی کیا تفصیل ہے؟ خود اس کا شرعی حصہ کتنا ہے؟ وراثت کی تقسیم کب کہاں ہوئی ؟ بس زبردستی یا انجانے میں انگوٹھا یا دستخط کروا لیتے ہیں جب کہ اس کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ کاغذات کس قسم کے ہیں ۔اس میں کیا لکھا ہوا ہے اگر وہ دستخط کرنے میں ذرا بھی

جھجک کا مظاہرہ کرے یا اپنے شوہر یا اولاد کی ترغیب و ترہیب کی وجہ سے انکار کردے تو ہمیشہ کے لئے اپنے بھائیوں کی دہلیز سے محروم کردی جاتی ہے۔ اگر بوڑھی والدہ زندہ ہے تو اس کے بھی دیدار سے محروم کردی جاتی ہے بلکہ اکثر و بیشتر وہی والدہ اپنی بیٹی کو کوستی ہیں کہ تو ایسی جرأت کیوں کررہی ہے کیا تو بھوکی ہے؟ چھوڑ دے اپنا حصہ، حدتو یہ ہے کہ بعض سخت دل لوگ اس مغز کھپائی سے بچنے کے لئے وراثت کی تقسیم سے پہلے ہی اپنی تمام بہنوں کو کاغذات میں مردہ قرار دے کر بعد میں بڑے اطمینان و آرام سے اپنے نام وراثت منتقل کرالیتے ہیں اور وہ یہ سمجھ کر بادل نخواستہ شرماشرمی معاف کردیتی ہے کہ ملنے والا تو ہے ہی نہیں تو کیوں بھائیوں سے برائی لیں۔ ایسی معافی شرعاً معافی نہیں ہوتی، ان کا حق بھائیوں کے ذمہ واجب رہتا ہے۔ یہ میراث دبانے والے سخت گناہ گار ہیں، ان میں بعض بچیاں نابالغ بھی ہوتی ہیں، ان کو حصہ نہ دینا دوہرا گناہ ہے۔ ایک گناہ شرعی وارث کے حصہ نہ دینے کا اور دوسرا یتیم کا مال کھانے کا۔ اگر کوئی عورت شاذ و نادر بطیّب خاطر (خوشی خوشی) معاف بھی کردے تو یہ معاف کرنا اور کرانا بھی گناہ سے خالی نہیں کیونکہ اس میں خلاف شرع ہندوؤں کی ظالمانہ رسم کی ترویج وتائید ہوتی ہے، جو گناہ کبیرہ ہے۔ ثالثاً یہ معاف کرانا شرعی اصل کے خلاف ہے، اس لئے کہ حق معاف کرنا یا چھوڑنا یا ساقط کرنا یا بری کرنا یا بخش دینا وغیرہ الفاظ سے صرف قرض معاف ہوتا ہے، ان الفاظ سے متعین چیز کی تملیک نہیں ہوتی۔ متعین چیز کی تملیک کے لئے ھبہ یا عطیہ ہدیہ وغیرہ کے الفاظ ہوتے ہیں مگر چونکہ وراثت مشترکہ ہوتی ہے، اس لے اس کا ھبہ بھی شرعاً صحیح نہیں۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کا حصہ حوالہ کردیا جائے پھر جس کی مرضی جو چاہے کردے، ھبہ کردے۔

بخش دے، سورۂ نساء میں میراث کے رکوع کے آخر میں ان احکام کو نہ ماننے والوں کے لئے جہنم اور اس کے سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بے زبان بہنوں کو حصہ میراث سے محروم کرنا بہت سنگین جرم اور عظیم ظلم ہے اور اللہ کے مقرر کردہ احکام کا مذاق اڑانے کی ناروا جسارت ہے۔ لہٰذا اپنے معاملات و مالیات کا بڑی باریک بینی سے جائزلیں اور جو کمیاں ہیں، اس کو دُور کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ اپنی مرضیات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

ڈاکٹر گوہر مشتاق (امریکہ)

الیکٹرانک میڈیا کے اثرات، ایک جائزہ

آج میڈیا ٹیکنالوجی کی مدد سے ہمیں ہر قسم کی آسانیاں حاصل ہوئی ہیں۔لیکن یہی آسانیاں اپنے ساتھ کئی پریشانیاں بھی لائی ہیں۔ اسلام جدید ٹیکنالوجی کے خلاف نہیں ہے لیکن ٹیکنالوجی اور نئی ایجادات کے متعلق اسلام کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اُس کے فوائد اور نقصانات کا موازنہ کیا جائے۔ اگر اس کے فوائد زیادہ ہیں تو اسے قبول کیا جائے گا اور اس کی برائیوں سے اجتناب کیا جائے گا لیکن اگر ایجاد کے نقصانات اُس کے فوائد سے کہیں زیادہ ہیں تو پھر اُس ایجاد کے متعلق ہمیں نہایت محتاط رویہ اختیار کرنا ہوگا اور یہ اصول یاد رکھنا ہوگا: ''تمام خطرناک ایجادات کو بچوں اور نوجوانوں کی پہنچ سے دور رکھیں۔ طبیعت زیادہ خراب ہوتو قرآن اور حدیث سے رجوع کریں۔''

جدید الیکٹرانک میڈیا ہی اس مضمون کا موضوع ہے۔ آیئے اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

الیکٹرانک میڈیا کی سحر انگیز خصوصیات

الیکٹرانک میڈیا میں سب سے پہلی ایجاد ٹی وی کی ہے اس لیے ہم زیادہ اسی کے اثرات پر بحث کریں گے لیکن ٹی وی اور کمپیوٹر میں کچھ زیادہ فرق نہیں بلکہ انٹرنیٹ کے نقصانات کی لسٹ ٹی وی سے بھی لمبی ہے۔ بہرحال نیل سن کی حالیہ رپورٹ (Nielson Report) کے مطابق 2 سے 5 سال کی عمر کے بچے اوسطاً 21.8 گھنٹے ہر ہفتے ٹی وی دیکھتے ہیں جبکہ 6 سے 11 سال کی عمر کے بچے 18.3 گھنٹے فی ہفتہ ٹی وی دیکھتے ہیں۔ Nielson Media Research (2000) Report on Television

ٹی وی کی ایجاد کا ایک پہلو ایسا ہے جو اسے پچھلی تمام ٹیکنالوجیز سے ممتاز کرتا ہے وہ یہ ہے کہ ٹی وی سے پہلے کی کسی ایجاد نے 6 برس سے کم عمر بچوں کی زندگیوں کو متاثر نہیں کیا، چاہے وہ لائٹ بلب ہو یا گاڑی ہو یا فون ہو۔اُن ایجادات نے بڑوں کی زندگیوں کو تو متاثر کیا لیکن بچوں کے معمولات متاثر نہ ہوئے تھے۔ ٹی وی آنے کی دیر تھی کہ چھوٹے بچوں کی زندگیاں، اُن کے کھیل، اُن کی پڑھائی، اُن کے مشاغل، اُن کی نیند سب کچھ متاثر ہوگئے۔ اس میڈیم کی سحر انگیزی اتنی مضبوط ہے کہ اسے دیکھتے ہوئے بچے نہ سو رہے ہوتے ہیں نہ جاگ رہے ہوتے ہیں۔ یہ والدین کا عام مشاہدہ ہوگا کہ جب بچے ٹی وی دیکھ رہے ہوں اور اُن کے قریب فون بج رہا ہو تو وہ فون نہیں اٹھاتے۔ ٹی وی دیکھتے ہوئے اُن کے چہرے کے تاثرات بدل جاتے ہیں اُن کا نچلا جبڑہ Relex ہو جاتا ہے اور منہ حیرت سے کھل جاتا ہے۔ اُن کی ٹکٹکی بندھ جاتی ہے۔ زبان بند ہو جاتی ہے۔ وہ اس جادو کے اثر سے اُس وقت باہر نکلتے ہیں جب پروگرام ختم ہوتا ہے۔

ٹی وی اور منشیات کا موازنہ

والدین بار بار اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہر مرتبہ ایک یا دو گھنٹے کا ٹی وی پروگرام دیکھنے کے فوراً بعد اُن کے بچوں کا مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے چونکہ یہ چیز کچھ دیر کے لیے رہتی ہے اس لیے والدین اسے بھول بھلا دیتے ہیں لیکن جب والدین سے پوچھا جائے تو وہ اس عارضی بدمزاجی (Temporary Crankiness) کی عام شکایت کرتے ہیں۔ ایسا محسوس ہے کہ ٹی وی دیکھنے میں وقت ضائع کر کے بچوں کو ایک طرح کا خالی پن کا احساس (Feeling of Emptiness) ہوتا ہے۔ جس کا اظہار وہ بدمزاجی یا بے ہنگم اچھل کود میں ٹی وی دیکھنے کے فوراً بعد کرتے ہیں کیونکہ انسانی دل کا سکون صرف اللہ کے ذکر میں ہے:

ٹی وی دیکھنا،شراب پینے یامنشیات استعمال کرنے سے بہت مشابہ ہے کہ جب انسان انھیں شروع کرتا ہے تو نشے کی لت پڑجانے کی وجہ سے اس کے لیے رکنا مشکل ہوجاتا ہے۔

ٹی وی اور کمپیوٹر کی سکرین سے نکلنے والی شعاعیں (Cathode Rays) دل میں بے چینی پیدا کرتی ہیں اور اسی چیز کا اظہار بچے اپنے رویے سے کرتے ہیں۔

ٹی وی دیکھنے کے فوراً بعد کی بد مزاجی (Post-Television Crankiness) دراصل والدین کے لیے ایک لمحۂ فکریہ ہونا چاہیے۔ اس رویے کی سائنسی وجوہات بھی ہیں۔ امریکی عمرانی سائنسدان خاتون میری ون (Marie Winn) کے مطابق ٹی وی دیکھنے کے فوراً بعد پیدا ہونے والی یہ کیفیت اُسی طرح کی ہے جسے اکثر بچے نیند سے بیدار ہو کر کافی دیر تک اپ سیٹ رہتے ہیں۔ (Post-sleep irritability) اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ ایک شعوری حالت (نیند) سے دوسری شعوری حالت (بیدار ہونا) میں داخل ہوئے ہوتے ہیں۔ میری ون یہ سوال اٹھاتی ہے کہ اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر ٹی وی دیکھتے ہوئے بچے کی کونسی شعوری حالت ہوتی ہے؟ یہ تو واضح ہے کہ وہ سو نہیں رہا ہوتا پھر کیا یہ شعوری حالت جاگنے سے مختلف ہے؟ ایسا تو منشیات کے استعمال سے ہوتا ہے کہ وہ انسان کو جاگنے اور سونے کے درمیان کسی تیسری شعوری حالت میں پہنچا دیتی ہیں۔ یہ ثابت کرتا ہے کہ ٹی وی کے شعور (Consciousness) پر وہی اثرات ہوتے ہیں جو منشیات کے ہوتے ہیں۔

ٹی وی کے دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کے پروگرام دیکھتے ہوئے انسانی ذہن حقیقت سے دور، خواب کی سی کیفیت (unreal and dreamlike quality) میں چلا جاتا ہے اور یہ سب بیداری کی حالت میں ہوتا ہے۔ یہی کیفیت منشیات بھی جاگتی حالت میں پیدا کرتی ہیں۔

میری ون مطالعہ کتب اور ٹی وی دیکھنے کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''کتاب پڑھتے ہوئے انسان کا ذہن جس طرح دوسری دنیا میں چلا جاتا ہے وہاں سے واپسی نہایت آسان ہوتی ہے لیکن ٹی وی کے سفر میں واپسی آسان نہیں ہوتی اس لحاظ سے ٹی وی دیکھنا، شراب پینے یا منشیات استعمال کرنے سے بہت مشابہ ہے کہ جب انسان انھیں شروع کرتا ہے تو نشے کی لت پڑ جانے کی وجہ سے اس کے لیے رکنا مشکل ہو جاتا ہے۔'' (Winn Marie(2002) The Plug-In Drug. Penguin Books, NewYork)

چنانچہ ٹی وی کی وجہ سے حقیقت سے فرار آسان ہوتا ہے اور حقیقت کی طرف واپسی نہایت مشکل۔ ٹی وی اور کمپیوٹر کے استعمال کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اِن کی وجہ سے وقت گزرنے کا اندازہ نہیں ہوتا بلکہ اسی طرح جیسے نشہ کی حالت میں وقت کی رفتار کا اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے۔

ٹی وی اور کمپیوٹر کے میڈیکل نقصانات

امریکہ کی بچوں کے ڈاکٹروں کی اکیڈمی (American Academy of Pediatricians) پوری دنیا میں مانی ہوئی آرگنائزیشن ہے۔ 1995ء میں AAP جیسی بڑی تنظیم نے پہلی مرتبہ ٹی وی کے مواد کے علاوہ ٹی وی کے مجموعی نقصانات کا تجزیہ کیا۔ 1995ء میں AAP نے یہ تسلیم کیا کہ امریکی بچوں میں موٹاپے کی بیماری کی بڑی وجہ لگاتار بیٹھ کر ٹی وی دیکھنا ہے۔ AAP نے ڈاکٹروں کو ہدایات دیں کہ وہ والدین کو مشورہ دیں کہ وہ بچوں کے روزانہ ٹی وی دیکھنے کے دورانیے کو ایک گھنٹے سے تجاوز نہ کرنے دیں۔

اگست 1999ء میں AAP نے ایک قدم مزید بڑھایا اور اپنی پالیسی میں لکھا کہ نومولودوں اور بچوں کے ذہنوں پر تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کو اپنے والدین اور دیگر انسانوں سے Direct تعلق قائم کرنے کی شدید ضرورت ہوتی ہے تا کہ اُن کا ذہن نشوونما پا سکے۔ نتیجتاً ڈاکٹرز کی اس آرگنائزیشن نے نئی گائیڈ لائن کا اجراء کیا:

Pediatricians should urge parents to avoid television viewing for children under the age of 2 years. (Media Education,

Policy Statement. Aug 1999 Pediatrics Vol.104, No.2)

(ڈاکٹروں کو چاہیے کہ وہ والدین کواس بات پر ابھاریں کہ وہ دوسال سے کم عمر کے بچوں کو ٹی وی نہ دکھائیں)

(1) موٹاپا(Obesity)

جیسا کہ ابھی بیان ہوا، AAP نے اس بات کوتسلیم کیا ہے کہ بچوں اورنو جوانوں میں موٹاپے کی ایک وجہ ٹی وی دیکھنا ہے۔اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ بچے ٹی وی دیکھتے ہوئے کوئی جسمانی مشقت نہیں کرتے اور دوسرا بغیر اندازے کے کھاتے ہیں لیکن اس کی زیادہ اہم وجہ وہ ہے جو امریکہ کی Memphis State University کے ایک محقق نے دریافت کی۔اس نے ٹی وی پروگرام دیکھنے کے دوران بچوں کے Metabolic rates کو ناپا اور دریافت کیا کہ ٹی وی دیکھنے کے دوران بچوں کے جسم کے Metabolic rates سونے اور جاگنے کے درمیان میں پہنچ گئے تھے۔یعنی اگر یہی بچے بیٹھے ہوئے کچھ نہ کر رہے ہوتے تو اُن کا نظام انہضام نسبتاً زیادہ تیزی سے کام کر رہا ہوتا۔

(Tufts University Diet and Nurtrition Letter, June1992)

(2) ذیابیطس(Diabetes)

پوری دنیا میں ذیابیطس کا مرض تیزی سے بڑھ رہا ہے 1990 سے 1998ء کے درمیان صرف امریکہ میں اس مرض میں 76 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ایک میڈیکل تحقیق کی رپورٹ کے مطابق ذیابیطس کی بڑھتی ہوئی شرح کی ایک اہم وجہ امریکیوں کے بڑھتے ہوئے وزن اور اُس کی وجہ ہر وقت ٹی وی اور کمپیوٹر سکرین کے سامنے بیٹھا رہنا ہے۔

Gardy, Denise (Aug24, 2000) "Diabetes Rises; Doctors foresee a harsh Impact." (The New York Time)

(3) نیند کی خرابیاں(Sleep DisordeRs)

ڈاکٹروں نے ٹی وی دیکھنے کو بچوں کی نیند کی بیماریوں میں ایک اہم وجہ قرار دیا ہے۔میڈیکل جرنل "Pediatrics" کے ستمبر 1999ء کے شمارے میں لکھا تھا:

''ڈاکٹروں کو بچوں کے رات کو سونے سے پہلے ٹی وی دیکھنے کے منفی اثرات سے باخبر ہونا چاہیے...... بالخصوص بچوں کے بیڈروم میں ٹی وی کی موجودگی سکول جانے والے بچوں کی نیند کی بیماریوں میں اہم حصہ دار ہوسکتی ہیں۔''

Owens, J., Maxim R. et al. (Sept.1999) "Television - viewing Habits and sleep Disturbance in school children." Pediatrics, Vol.104, No.3, Page 27

(4) کمر کا درد

سوئٹزرلینڈ کے سائنسدانوں نے 1994ء میں یہ دریافت کیا تھا کہ بچے جتنا وقت زیادہ ٹی وی دیکھتے ہیں اُن میں نچلی کمر کے درد (Low-back pain) کا خطرہ اتنا ہی بڑھ جاتا ہے۔

Balagne, F., Nordin M et al. (Oct. 1994) " Non-Specific low-back pain among school children." Journal of Spinal Disorders

یہ تمام میڈیکل نقصانات ٹی وی کی طرح کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا استعمال کرنے سے بھی حاصل ہوتے ہیں۔فرق اتنا ہے کہ کمپیوٹر میں بے حیائی اور فحاشی کا عنصر ٹی وی سے بھی زیادہ ہے۔

فیس بک اور دیگر سوشل نیٹ ورکنگ ویب سائٹس

یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ ہر نئی میڈیا ٹیکنالوجی میں پچھلی ایجاد کے مقابلے میں فتنے کا پہلو زیادہ ہوتا ہے۔ ہر نئی میڈیا ٹیکنالوجی (بالخصوص جس میں تصویر یا کیمرہ ہو) عورت کو مزید عریاں کرتی چلی جاتی ہے اور نوجوانوں کو اپنی اصل منزل سے دور کرتی چلی جاتی ہے۔ ٹی وی کے بعد انٹرنیٹ میدان میں آیا تو اس میں فتنے کا پہلو ٹی وی سے کہیں زیادہ ثابت ہوا۔

انٹرنیٹ میں ای میل کے فوائد زیادہ ہیں اور نقصان کم لیکن اس کے مقابلے میں انٹرنیٹ گپ شپ (Chatting) ایک ایسی چیز ہے جس کے نقصانات اس کے فوائد سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ جب لڑکیاں

انٹرنیٹ پر اجنبی عورتوں سے چیٹنگ کر رہی ہوتی ہیں تو انھیں نہیں علم ہوتا کہ دوسری طرف وہ واقعی کسی عورت سے چیٹنگ کر رہی ہیں یا کوئی مرد عورت کا روپ دھارے ہوئے کسی شکار کی تلاش میں ہے۔ سعودی عرب کے ممتاز عالم دین شیخ عبدالعزیز بن بازؒ نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ اگر لڑکا اور لڑکی انٹرنیٹ پر چیٹنگ (Chatting) کر رہے ہوتے ہیں تو وہ ایسا ہی ہے جیسے وہ کسی کمرے میں تنہا کسی نامحرم سے گفتگو کر رہے ہوں جو کہ قطعاً حرام ہے۔ حدیث پاک ہے:

لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ

الترمذی (۱۱۷۱) اس حدیث کو شیخ البانیؒ نے صحیح الترمذی میں صحیح قرار دیا ہے)

(جب بھی کوئی نامحرم مرد کسی عورت کے ساتھ تنہا ہوتا ہے تو ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے)۔

انٹرنیٹ پر لڑکوں لڑکیوں کی ملاقاتوں سے آہستہ آہستہ آپس کی ہچکچاہٹ اور درمیان میں حائل شرم وحیا ختم ہو جاتی ہے اور انسانوں کے اندر موجود جنس مخالف کے متعلق جذبات (carnal desires for oppsite sex) اُن کے دل و دماغ پر حاوی ہو جاتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ اس بیماری کا شکار صرف کنوارے لڑکے لڑکیاں ہی نہیں بلکہ شادی شدہ مرد حضرات اور خواتین بھی ہو جاتے ہیں۔ مزید براں انٹرنیٹ پر لڑکوں کا چیٹنگ کے دوران لڑکیوں کو چھیڑ چھاڑ (یعنی Cyber bullying) بھی لڑکیوں کے اندر سے شرم وحیا کو آہستہ آہستہ ختم کرتا چلا جاتا ہے۔

اسلام معاشرے کے انسانوں کی Privacy کی قدر کرتا ہے۔ سورۃ الحجرات میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا (۱۲)

(تجسس نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے)۔

قرآن نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ لوگوں کے راز نہ ٹٹولیں۔ لوگوں کے حالات اور معاملات کی ٹوہ نہ لگاتے پھریں۔ یہ حرکت چاہے بدگمانی کی بنا پر کی جائے یا محض اپنا استعجاب (Curiosity) دور کرنے کے لیے کی جائے، دونوں صورتوں میں منع ہے۔ لوگوں کے نجی خطوط پڑھنا، ہمسایوں کے گھر میں جھانکنا اور مختلف طریقوں سے دوسروں کی خانگی زندگی یا ان کے ذاتی معاملات کی ٹٹول کرنا ایک بڑی بداخلاقی ہے جس سے طرح طرح کے فساد رونما ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا:

إِنَّكَ إِنِ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ أَفْسَدْتَهُمْ أَوْ كِدْتَ تُفْسِدُهُمْ (ابوداؤد ۴۸۸۸، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے)

(تم اگر لوگوں کے مخفی حالات معلوم کرنے کے در پے ہو گے تو اُن کو بگاڑ دو گے یا کم از کم بگاڑ کے قریب پہنچا دو گے)۔

تجسس کرنا انسانوں کے اندر ایک فطری کمزوری ہے جس پر قرآن بند باندھتا ہے۔ آج شیطان نے انسان کی اس فطری کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عوام میں فیس بک اور Twitter جیسی معاشرتی تعلقات (Social Networking) بنانے والی ویب سائٹس کو عام کیا ہے۔ فیس بک پر جو تصاویر پوسٹ کی جاتی ہیں اُن کو گھر سے باہر دکھانے کی کوئی حقیقی ضرورت نہیں ہوتی پھر آخر فیس بک اور Twitter جیسی ویب سائٹس عوام (بشمول مسلمانوں) میں اتنی مقبول کیوں ہو رہی ہیں؟ اس سے آخر کیا حاصل ہوتا ہے؟ دراصل یہ انسان کی تجسس (Curiosity) کرنے کی مخفی خواہش کے ساتھ کھیل ہے۔ لوگ دوسرے لوگوں کو فیس بک کے ذریعے یہ موقع دیتے ہیں کہ آؤ کھڑکی سے جھانک کر دیکھو کہ ہمارے مشاغل کیا ہیں اور ہمیں بھی موقع دو کہ ہم فیس بک کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھیں کہ تم ہر وقت کیا کرتے رہتے ہو۔ یہ دراصل معاشرے کے اندر شرم وحیا اور آپس کی جھجک کی حدود کو توڑنے کی سازش ہے۔ کسی کی خلوت (Privacy) میں اُس کی مرضی کے بغیر جھانکنا تو برا سمجھا جاتا ہے لیکن اگر ہم ایک دوسرے کو خود دعوت دیں، فیس بک پر کمپیوٹر کا ایک بٹن دبا کر کہ ہم ایک دوسرے کے مشاغل کے متعلق تجسس کریں تو یہ بات معیوب نہیں سمجھی جاتی۔ اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہم اُن معاشرتی حدود کو توڑ ڈالیں جو ہماری حفاظت کرتی ہیں۔

خواتین کو یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ الیکٹرانک میڈیا پر بے پردگی کا سب سے زیادہ نقصان انہی کو ہوتا ہے۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ فیس بک پر Controls ہوتے ہیں تو یہ دراصل دل کو بہلانے کا بہانہ ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ فیس بک استعمال کرنے والوں کی غالب اکثریت Controls کو بالکل استعمال نہیں کرتی۔ اور کنٹرولز کتنے بھی اچھے ہوں۔ فیس بک اور Twitter ویب سائٹس چلانے والے تو لوگوں کی فیملی کی سب تصاویر دیکھ سکتے ہیں اور ساری معلومات ان تک ضرور پہنچ جاتی ہیں۔ پھر یہ کیسے کنٹرول ہیں؟

آپ ایسے کتنے فیس بک پروفائل جانتے ہیں جن میں لوگوں نے آخری حد تک کنٹرول متحرک (Activate) کئے تھے کہ صرف اُن کی قریبی ترین فیملی کے لوگ ہی اُن کی تصاویر دیکھ سکتے ہیں۔ حضرت علیؓ بن ابی طالبؓ کا قول ہے: ''راز اُس وقت تک راز ہوتا ہے جب تک ہم وہ کسی کو بتاتے نہیں۔ جب ہم نے وہ راز کسی کو بتا دیا تو وہ راز نہیں رہتا۔''

مسلمان لڑکیاں یہ سمجھتی ہیں کہ وہ فیس بک پر صرف اپنی سہیلیوں کے لیے تصاویر پوسٹ کر رہی ہیں لیکن وہ بھول جاتی ہیں کہ اُن کی سہیلیوں کے گھروں میں مرد حضرات بھی ہوتے ہیں جو اُن نامحرم لڑکیوں کی تصاویر سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ ہماری مسلمان بہنیں آخر رسولِ کریمؐ کے اُس ارشاد کو کیوں بھول جاتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشيطان

الترمذی، کتاب الرضاع وروا‌ہ ابن حباب فی صحیحہ والطبرانی فی الکبیر۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور علامہ البانی نے اسے صحیح کہا ہے)

''عورت تو چھپانے کی چیز ہے۔ جب یہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانکتا ہے۔''

اس حدیث میں خاتون کو ''عورۃ'' کہا گیا ہے یعنی چھپانے کی شے۔ جب عورت کی تصاویر فیس بک جیسی ویب سائٹس کے ذریعے گھر سے باہر نکلتی ہیں تو لازماً شیطان اُن کو جھانکتا ہے۔ معاشرے میں فساد بڑھتا ہے۔ لڑکیوں کے گھر سے بھاگنے کے واقعات اور طلاقوں کی شرح میں اضافہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حال ہی میں جامعۃ الازہر کے سابق سربراہ اور مشہور مصری عالم دین شیخ عبدالحمید العطرش نے فیس بک (Facebook) کے خلاف فتویٰ دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے فائدہ اٹھانے والا گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اور اس کا استعمال حرام ہے۔ انھوں نے کہا کہ فیس بک کی ایجاد کے بعد سے طلاق کی شرح میں اضافہ کے ساتھ شادی شدہ افراد میں بے وفائی بڑھی ہے۔ انھوں نے کہا کہ فیس بک سے خاندان تباہ ہو رہے ہیں کیونکہ یہ شادی سے ماورا دوسروں سے تعلقات قائم کرنے کی حوصلہ افزائی کرتی ہے جو کہ شریعت کے خلاف ہے۔

شیخ عبدالحمید عطراش نے اپنے فتوے میں یہ بھی کہا کہ فیس بک کی وجہ سے مسلم خاندانوں کو خطرات لاحق ہیں کیونکہ گھر کا ایک فرد باہر کمانے جاتا ہے تو پیچھے دوسرا آن لائن گپ شپ (Chatting) کر کے نہ صرف شریعت کی خلاف ورزی کرتا ہے بلکہ اپنا وقت بھی ضائع کرتا ہے۔ (Urdu link U.S.A Feb.19 2010)

انٹرنیٹ پر کیمرہ آ جانے سے بھی اسی قسم کی قباحتیں پیدا ہوئیں۔ لوگوں کے گھروں کی Privacy میں کھلی مداخلت ہونا شروع ہوگئی۔ اکثر اوقات لڑکیاں یا خواتین یہ سمجھتی ہیں کہ وہ انٹرنیٹ کیمرے پر اپنی سہیلی سے گفتگو کر رہی ہیں لیکن وہ اس بات کو بھول جاتی ہیں کہ کمپیوٹر کی دجالی آنکھ جیسی سکرین پر اُن کی سہیلی کے علاوہ اُس کے بھائی، باپ یا خاوند بھی اُن کی ویڈیو دیکھ سکتے ہیں۔ بلکہ ایسے واقعات بھی ہوئے ہیں کہ کسی لڑکی کے بدنیت بھائی یا خاوند نے اس لڑکی کی ویڈیو کو ریکارڈ کر کے Youtube پر سکینڈل کے طور پر نشر کر دیا۔

یہی حال سیل فون کیمرے کا ہے۔ سیل فون لوگوں کی سہولت

کے لئے ایجاد ہوا ہے اور آج بھی سہولت ہے اگر اُسے صرف سیل فون کے طور پر استعمال کیا جائے۔ پہلے سیل فون ٹیکسٹ پیغامات کو عشق و محبت کے لیے استعمال کیا جانا شروع ہوا۔ اس کا سب سے بڑا مظہر ویلنٹائن ڈے پر سیل فونز پر عشقیہ پیغامات کی صورت میں سامنے آنا شروع ہوا۔ پھر جب ہوس کی اس سے تسکین نہ ہوئی تو سیل فون کیمرہ نے فتنہ وفساد میں مزید اضافہ کیا۔ سیل فون پر لڑکوں لڑکیوں کے ایک دوسرے کو تصاویر بھیجنے کے عمل کو Sexting کا نام دیا گیا اور نام سے ظاہر ہے کہ اس کا سب سے زیادہ استعمال کس کام کے لیے ہوتا ہے۔ اس طرح سیل فونز پر Texting سے Sexting کا مکروہ سفر طے ہوا۔ پاکستان کے بعض شہروں میں ایسے بھی واقعات ہوئے ہیں کہ لڑکی نے اپنی طرف سے صرف اپنے محبوب کو اپنی ہیجان انگیز تصاویر بھجوائیں لیکن اُس لڑکے نے شیخی مارنے کے لیے اُن تصاویر کو اپنے حلقۂ احباب میں عام کر دیا۔ جب بات بہت پھیل گئی تو لڑکی نے مجبور ہو کر خودکشی کر ڈالی۔

یہ سب اسلام کے احکامات حجاب کو نہ سمجھنے اور ان پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ خواتین کو یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ الیکٹرانک میڈیا پر بے پردگی کا سب سے زیادہ نقصان انہی کو ہوتا ہے۔ مرد حضرات تو عورتوں کو بے پردہ اور رسوا کر کے شیطان کی طرح آخر میں ایک طرف ہو جاتے ہیں اور اس کا خمیازہ خواتین کو اکیلے بھگتنا پڑتا ہے (گو کہ اللہ کے عذاب سے وہ مرد شیطان بھی بچ نہ سکیں گے) بہرحال اپنے پردے کی حفاظت خواتین کو خود کرنی چاہیے۔ انھیں نا محرم مردوں پر کبھی کسی حال میں اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ خواتین اور لڑکیوں کی حیثیت Little Red Riding Hood کی ہے جو جنگل سے گزر کر اپنی دادی کو کھانا پہنچانے جا رہی تھی اور میڈیا ٹیکنالوجیز پر موجود نامحرم مردوں کی حیثیت اس بھیڑیے جیسی ہے جو اُس لڑکی کی دادی کے کپڑے پہن کر اُس لڑکی کو کھانا چاہتا تھا۔ اس لیے بھیڑیوں سے ہوشیار رہیں (جاری ہے)

مضمون کی اگلی قسط میں ملاحظہ کیجیے:

بچوں کو دجالی میڈیا سے بچانے کے لیے چند مشورے

☆ گھر میں کتنے ٹی وی سیٹ ہونے چاہئیں

☆ بچوں کے بیڈ روم میں ٹی وی اور کمپیوٹر

☆ سوشل نیٹ ورکنگ ویب سائٹس سے بچاؤ

☆ سکول سے مدد حاصل کریں

۞۞۞

غزل

شہر وفا میں تیرے طلبگار ہم بھی تھے
ہاں جرمِ عاشقی کے سزاوار ہم بھی تھے

بازار کونسا تھا جہاں آگئے تھے ہم
وہ جنس کیا تھی جس کے خریدار ہم بھی تھے

اس دھوپ کے سفر میں اکیلا نہیں تھا وہ
محرومِ لطفِ سایۂ دیوار ہم بھی تھے

جس داستاں کا مرکزی نقطہ تھی کائنات
اس داستاں کا ثانوی کردار ہم بھی تھے

جس آئینے میں اُترا ترا خواب خواب عکس
اس آئینے میں صورتِ تکرار ہم بھی تھے

ہم پر وفائے عہدِ اَناالحق بھی فرض تھی
اس واسطے کہ محرمِ اسرار ہم بھی تھے

یہ اور بات وقت نے ویران کر دیا
دل کے قدیم شہر کا بازار ہم بھی تھے

کرامت بخاری

غزل

اک غم معتبر کا سناٹا
بن گیا عمر بھر کا سناٹا

اِک تو منزل کا کچھ سراغ نہیں
اس پہ یہ رہ گزر کا سناٹا

چیخ بھی بے صدا نکلتی ہے
اُف یہ کربِ ہنر کا سناٹا

مجھ سے مانوس ہو گیا بے حد
میرے دیوار و در کا سناٹا

مسکراہٹ میں اُس کی سو نغمے
اور ادھر چشمِ تر کا سناٹا

میری ہم عمر میری تنہائی
میرا ہم سِن سفر کا سناٹا

اب تو اشعار بن کے غزلوں میں
گونج اٹھتا ہے سر کا سناٹا

کرامت بخاری

صورتِ حالات

ہر روز کے جنازے
ہر روز کی ہلاکت!

ہر روز کے تماشے
ہر روز کی ملامت !

ہر سمت آگ و خوں ہے
ہر دل لہو لہو ہے

مال و متاع، دل و جاں
محفوظ کچھ نہیں ہے

پُرسانِ حال کوئی
نہیں خیر خواہ کوئی

ملتی نہیں کسی کو
جائے پناہ کوئی

اک خوف بچھ گیا ہے
ہر راہ ،ہر نظر میں

اک دھند، ایک اندھیرا
چھایا ہے رہگزر میں !

شمیم فاطمہ

ہم سے ضد کیوں!

(فرانس میں حجاب پر پابندی کے حوالے سے)

ہر شخص کی مرضی ہے
جو چاہے سو پہنے وہ
جو چاہے کمائے وہ
جو چاہے سوکھائے وہ
جو چیز بھی پی لے وہ
جس طور سے جی لے وہ
جو چاہے زباں بولے
جو چاہے وہی سوچے
ہر ملک میں حاصل ہے
ہرشخص کو آزادی
پھر تم نے لگائی کیوں؟
اسکارف پہ پابندی!
ہم سر پہ ردا رکھیں !
ہم تن پہ عبا رکھیں!
جو چاہیں تو ہم خود کو
چادر میں چھپا رکھیں !
تکلیف تمہیں کیوں ہے؟
ہم سے تمہیں ضد کیوں ہے ؟

شمیم فاطمہ

ام ایمان

پشیمانی

ان کو چائے پینا کسی نے نہیں سکھایا؟ کیسے سڑپ سڑپ کر کے پیتے ہیں......کچھ ایٹی کیٹس بھی ہوتے ہیں!

نئی دلہن کے سامنے گنواروں کی طرح سڑپ سڑپ چائے پی رہے ہیں۔ میری تو جان ان کی حرکتوں سے جل کر ہی رہ گئی۔

بھابی منور حیران پریشان نئی نویلی ایک رات کی دلہن کے منہ سے اپنے نئے نویلے شوہر کی شان میں نکلنے والی گل افشانیاں منہ کھولے سنتی رہ گئیں۔

مارے گھبراہٹ کے ہاتھ میں پکڑی ٹرے کپکپانے لگی، جلدی سے میز پر رکھی، یہ دوسرا چکر تھا، پہلے چکر میں وہ نئے دولہا دلہن کے لئے ناشتے اور چائے کا کچھ سامان پہنچا چکی تھیں۔ چونکہ شادی کے بعد پہلی صبح اور پہلا ناشتہ تھا لہٰذا بڑا پر تکلف تھا۔ ساس کی ہدایت کے مطابق، اس طرح دستک دینا اس طرح ناشتہ رکھنا اور نئی دلہن کو ناشتے کے لئے کہنا۔

لیکن یہ سین انتہائی غیر یقینی تھا۔ ڈائیلاگ اس سے زیادہ حیران کن اور نا قابل فہم تھے۔ نئی دلہن تیز لہجے میں دولہا میاں کے تربیتی نقائص کی نشان دہی کر رہی تھیں۔ بھابھی منور نے مڑ کر دولہا کو دیکھا، حامد میاں جواباً اپنی پوری بتیسی کی نمائش کر رہے تھے۔ یعنی انہیں دلہن کے ریمارکس سے اختلاف تو دور کی بات مکمل اتفاق اور دلی اطمینان تھا۔

انہوں نے کوئی جواب دیئے بغیر نیچے کا رخ کیا اور ساس کو دلہن کے تربیتی اعتراضات پہنچا دیئے۔

اے کیا کہہ رہی ہو دلہن ......ایسے کوئی ایک رات کی دلہن بات کرتی ہے!

اماں جان! ایک رات کی دلہن کے بقیہ اعتراضات آپ خود جا کر سن آیئے گا، مجھ میں تو ہمت نہیں ہے۔

بھابھی منور نے اپنے ایک سالہ نمونے شہباز کو ساس کی گود سے لیتے ہوئے کہا۔

تین شادی شدہ نندوں اور ایک چھوٹے دیور کی موجودگی میں وہ پہلے ہی اس بات پر خفا تھی کہ انہیں ناشتہ اوپر لے جانے کی ذمہ داری تھما دی گئی ہے حالانکہ یہ کام بہنوں کا ہے۔ اب دیکھو تو آ کر دلہن کے ڈائیلاگ بتائے تو وہ بھی یقین کرنے پر آمادہ نہیں حالانکہ سارے جملے نہیں دہرائے۔ منور جہاں نے دل ہی دل میں کڑھ کر سوچا۔ وہ تو شہباز کو لے کر کمرے میں سدھاریں۔ اماں اور فرح سدرہ معاملے کی باریکیوں پر غور و فکر میں لگ گئیں۔ بڑی نند صالحہ تو رات ہی بچوں کو لے کر اپنے گھر چلی گئی تھیں۔

آپا یہ "گربہ کشتن روزِ اول" والا معاملہ تو نہیں ......فرح نے بڑی بہن کی توجہ دلائی۔ کون سی کشتی روز اول؟ اماں نے حیرانی سے پوچھا۔

ارے اماں! یہ ایک محاورہ ہے۔ یعنی پہلے ہی دن دولہا

کو مٹھی میں بند کرنے اور انگوٹھے سے دبا کر رکھنے کا طریقہ ......سمجھی کہ نہیں؟؟

لیکن بیٹا یوں میاں کو بے عزت کرنا اسی کے گھر میں ...... کیا ماں باپ یہ طور طریقے بتا سمجھا کر بھیجتے نہیں؟ میرا حامد تو اتنا سیدھا ہے۔ کیا ہوگا اس کا؟

اتنا ہی نہیں حد سے زیادہ سیدھا ہے، وہ رکھ کر ایک کان کے نیچے دیتا کہ ماں باپ نے تمہیں کیا یہ ہی سکھا کر بھیجا ہے۔ سدرہ آپا سخت غصے میں تھیں۔

دو پہر ہونے کو آئی تھی۔ منور جہاں کو دو پہر کے کھانے کی فکر تھی۔ کیا پکے گا ......آج تو ولیمہ ہے ویسے ہی ڈھیروں کام ہے اور ابھی ناشتے کا معاملہ ہی نہیں سمٹا شہباز دودھ پی کر سو چکا تھا۔ اسے انہوں نے احتیاط سے لٹایا اور دوبارہ اماں کے کمرے کا رخ کیا کہ پوچھ کر کھانا چڑھانے کا بندو بست کریں۔

مرغی کا قورمہ بنا لو نان بازار سے منگا لیں گے ...... یوں بھی دیر ہوگئی ہے۔

منور جہاں نے سکھ کی سانس لیکہ ایک ہی ڈش بنانی ہے۔ ورنہ تو اماں جان روز ہی دال سبزی چاول کے ساتھ دو گوشت کی ڈشیں بنوانا لازم رکھتی تھیں۔ منور جہاں کی شادی دو سال پہلے ہی ہوئی تھی۔ یعنی انہیں اس گھرانے کی بہو بننے کا تجربہ دو سال کا تھا لیکن چونکہ پہلی بہو تھیں لہٰذا بڑا سخت تجربہ تھا۔ میاں زاہد کی ہدایت تھی کہ ہر بات اماں سے پوچھ کر کرنی ہے اور ساتھ ہی اس سے سخت ہدایت یہ تھی کہ خبردار میری اجازت کے بغیر کچھ سوچنا بھی نہیں۔ سو کہاں آنا جانا ہے، کیا پکنا ہے، کیا پہننا ہے، کیا خریدنا ہے......

خیر خریداری کی بات تو بہت دور کی ہے۔ حامد میاں کا پہلے دن سے ہی یہ وطیرہ تھا کہ ہاتھ میں پیسے نہیں دینے بلکہ جو ہیں وہ بھی لے لینے ہیں، لہٰذا اس اصول کے تحت جتنی منہ دکھائی جمع ہوئی وہ بحق سرکار ضبط ہوگئی، منور جہاں کو جس کا انتہائی قلق تھا۔ اس قدر تو جمع ہوگئی تھی کہ ایک ہلکا پھلکا سیٹ خریدا جا سکتا تھا۔ لیکن کہاں ......زاہد میاں کے بقول شادی پر جو اس قدر اخراجات ہوئے ہیں ......آٹے میں گھن کے برابر سہی کچھ تو حساب پورا ہوا ہے۔

آنے والی نئی دلہن کے انداز اور ڈائیلاگ جیسے بھی تھے منور جہاں کو ایک کمینی سی خوشی ہو رہی تھی۔ کوئی تو ہے جو ڈرے بغیر سب کچھ کہنے کی ہمت دکھتا ہے ...... سب کچھ، جو دل میں آئے......

انہوں نے مسکراتے ہوئے سوچا ...... حامد میاں کی بتیسی دکھاتے ہوئے شکل یاد آئی تو ہنسی ہی نکل گئی۔

ہیں ہیں کیا ہو گیا ہے نور ...... بیٹھے بیٹھے ہنس رہی ہو؟ زاہد نے حیرانی سے پوچھا۔

کچھ نہیں، یہ شہباز بھی سوتے سوتے ہنس رہا تھا ...... سو اس کو دیکھ کر ہنسی آ گئی۔

زاہد نے سوئے ہوئے بیٹے کو دیکھا اور دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔ ابھی یہ مزید دو گھنٹے نہیں اُٹھیں گے۔ منور جہاں نے سوچا اور قورمے کا مصالحہ دیکھنے اٹھ گئیں۔ مصالحہ تیار تھا لیکن مرغی کا پتہ نہیں تھا شاہد کب لے کر آئے گا۔ سست کہیں کا ......ابھی تک باتھ روم سے نکلا نہیں ہے اور اماں مجھ پر گرم

ہوں گی کہ کھانے میں اتنی دیر کر دی۔منور جہاں ایک بار پھر ساس کو یہ اطلاع دینے ان کے کمرے کی طرف چل دیں کہ مرغی آپ کے صاحبزادے اب تک نہیں لائے ہیں۔

کمرے میں داخل ہوئی تو دوسرے دروازے سے حامد اپنی نئی نویلی دلہن شبانہکے ساتھ داخل ہو چکے تھے۔ سدرہ اورفرح نے صوفے سے اٹھ کران کے لئے جگہ بنائی۔منور جہاں نے دیکھا کہ کسی نے بھی شبانہسے اُس کے ڈائیلاگ کے بارے میں کوئی تاثر دیانہ پوچھایہاں تک حامد بھی بیوی کی ناز برداری میں اتنا مگن تھا کہ منور کو حیرت ہوئی۔ بہر حال جس مقصد سے آئی تھی وہ اب کیسے پورا ہو؟ سب کے سامنے اگر اماں سے کہا کہ مرغی ابھی نہیں آئی تو اماں سے زبردست جھاڑ پڑنے کا اندیشہ تھا کہ وہ نئی دلہن کے سامنے خاندان کو بے عزت کررہی ہے کہ فریج خالی ہے۔ اماں نے نئی بہو سے متانت سے پوچھا، ناشتہ کرلیا بہو؟

منور نے سوچا ظاہر ہے ناشتہ پہنچا دیا تھا تو کر ہی لیا ہوگا ۔لیکن سامنے سے بالکل مختلف جواب آیا۔

''کہاں امی جان ! میں تو بوائل انڈا کھاتی ہوں پھر سلائس اتنے سخت تھے کہ مکھن جیلی کے ساتھ بھی نہیں کھائے گئے۔''

منور نے سوچا پوچھے، اور وہ حلوہ پوری، انڈے فرائی اورآملیٹ؟ شبانہ نے جٹھانی یعنی منور جہاں......تم کوایک ہی جملے میں چت کر دیا یعنی ناشتہ میں بوائل انڈا نہیں تھا اور سلائس زیادہ سینک کرسخت کر دیئے گئے تھے!

اچھا اماں ہم لوگ چلتے ہیں۔شبانہکی امی کا فون آیا تھا کہ وہ لوگ دوپہر کے کھانے پر انتظار کررہے ہیں۔

حامد میاں اپنی دلہن کے ساتھ سسرال سدھارے۔

پیچھے اماں اور دونوں بیٹیاں کافی دیر تک حامد کے انداز اوراس کی بیوی کے جملوں پر تبصرے کرتی رہیں یہ تبصرے کیا تھے مستقبل کے اندیشے تھے جو سب کو پریشان کررہے تھے اورجن کا نقشہ آنے والی بہو کے رویے سے محسوس ہورہا تھا۔

منور جہاں نے اپنا مسئلہ اماں کے سامنے رکھ کر اپنے کمرے کی راہ لی۔

حامد کے لئے اماں نے بڑی چھان پھٹک کر بیوی ڈھونڈی تھی۔لیکن اس ڈھونڈنے کے لئے سب سے اہم چیز جو مدنظر رکھی گئی تھی وہ صاف رنگ لمبا قد اور کھڑی ناک تھی ۔لہٰذا بہت ساری لڑکیوں کو دیکھ کر ریجیکٹ کرنے کے بعد شبانہ کو ایک ہی دفعہ دیکھ اور پسند کرنے کی وجہ یہ ہی تھی کہ یہاں تینوں خوبیاں بیک وقت موجود تھیں۔ ایک اتوار دیکھا اور دوسری اتوار رشتہ دیا۔بس انہوں نے بھی ہاں کرنے میں دیر نہیں لگائی۔مہینہ کے اندر شادی ہوگئی۔حامد میاں کے بھی لٹو ہونے کی وجہ یہی تھی اتنی گوری اوراسمارٹ بیوی ملنے پر وہ خودکو بڑا خوش قسمت سمجھتے تھے۔منگنی اورشادی کا درمیانی عرصہ بڑی بے چینی سے گذارا تھا سواب بیوی کی ناز برداری کرنا لازم تھا ۔لیکن وقت کے ساتھ ساتھ جوہر کھل رہے تھے۔

مہینے بعد اماں نے شبانہ سے کھیر پکوائی کے لئے کہا تو شبانہ نے آنکھوں میں آنسو بھر کر حامد میاں کی طرف دیکھا جنہوں نے فوری طور پر امداد بہم پہنچائی اماں اتنی جلدی کیا ہے؟ ابھی اس کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں۔کیا ہوا دلہن کو؟

چکرآ رہے ہیں پتہ نہیں کیوں؟ شبانہ نے نیچی نظروں سے دھیمے سے کہا۔

ہوں......اماں نے گہرا سانس لیا۔

پھر خرابی طبیعت کا معاملہ اتنا کھینچا کہ چھ ماہ گذر گئے۔ میکے جانا ہو یا بازار، طبیعت بالکل سیٹ لیکن جہاں کھانا پکانے کی بات ہوئی بلڈ پریشر لو اور چکر شروع......اماں کوئی نادان تو تھی نہیں لیکن سمجھ میں نہ آتا کہ کیا کریں۔ خاموش ہوجاتیں آخر بڑی بہو بھی تو تھی بچے کے ساتھ باورچی خانے کا سارا کام سنبھالے تھی۔ چلو کام کی کوئی بات نہیں تھی پہلے جہاں سارے گھر کے لئے پکایا جاتا مزید ایک اور کے لئے بھی سہی ......لیکن مسئلہ تو زبان کے جوہر کا تھا۔

روز ہی کوئی ایسی بات ہوتی کہ اماں اپنا سر پکڑ لیتیں۔

اماں بری کے زیور اور کپڑے کس کی پسند سے خریدے تھے؟ شبانہ نے باتوں کے دوران اچانک اماں سے پوچھا

! کیوں کیا ہوا ہے؟

بس اماں سارے ہی انتہائی گھٹیا اور آؤٹ آف فیشن ہیں۔ جب پہنتی ہوں کوئی نہ کوئی ٹوکتا ہے ہمارے ہاں......

شبانہ نے منور جہاں کی طرف خصوصیت کے ساتھ دیکھا۔

اماں شبانہ کا جملہ سن کر ایک شاک کی کیفیت میں تھیں اور منور بڑی مطمئن تھیں اور خدا کا شکر کر رہی تھیں کہ بری کی تیاری میں ان کا ہاتھ نہ ہونے کے برابر تھا۔ تینوں نندوں اور اماں کے مشوروں اور حامد میاں کی پسند پر ہی ہر چیز بنائی گئی تھی۔ اگرچہ شبانہ کے تیروں کا رخ منور کی طرف تھا لیکن نشانہ ٹھیک اماں کو لگا۔ ناراضگی اور غصے سے بولیں ''دلہن تمہارے خاندان والے خود گھٹیا ہوں گے جن کو ایسا لگا۔ ورنہ سب نے ہی تعریف کی تھی۔ ویسے تمہارے ہاں کا زیور اور کپڑے کتنے ہلکے اور سستے تھے، یہ تو ہر دیکھنے والے کو اندازہ ہو رہا تھا''

اتنی براہ راست نشانہ بازی......حامد میاں موجود نہ تھے ورنہ شبانہ ان کی طرف مدد طلب نظروں سے ضرور دیکھتیں اور اس کے بعد آنسو بہاتی حامد کے سہارے اپنے کمرے کی طرف سدھارتیں۔ منور نے دل میں سوچا اور دلچسپی اور سنسنی آمیز خوف کے ساتھ دونوں کو دیکھا۔ پھر شبانہ کی طرف سے آنے والے جملہ نما میزائیلوں کے بارے میں غور کیا۔ غیر متوقع طور پر وہاں سے کوئی جواب نہ آیا البتہ وہ پاؤں پٹختی ہوئی اٹھ کر چلی گئی......ظاہر ہے اپنے کمرے کی طرف!

دلہن تمہارا کہنا ٹھیک تھا کہ اتنی جلد بازی ٹھیک نہیں اور نہ شکل وصورت دیکھ دیکھ کر عمر گذرتی ہے۔ اصل چیز تو سیرت و تربیت ہے۔

اماں نے منور کو مخاطب کیا۔

خدا تم کو خوش رکھے میری بچی! اماں نے منور کو بلا کر سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی اور پیار کیا اور منور کو لگا کہ امی جان کی نصیحت پر عمل اور صبر وضبط کی ریاضت کا پھل مل گیا کہ ان کا کہنا تھا۔

''بیٹا! بہت سی دل آزار باتوں پر خاموشی اور زبان کو قابو میں رکھنا ہی سسرال میں کامیابی کی چابی ہے۔

☆☆☆

حمیرا ثاقب

سب کچھ لُٹا کے ہوش میں آئے تو کیا کیا

برسوں سے میری رفیقِ سفر اس وقت سفید کفن میں لپٹی اپنی آخری منزل پہ لے جائے جانے کے لئے تیار تھی...... اور میں ...... ابھی تک اپنے ہوش وحواس میں نہ آسکا تھا ......ذہن اڑتے ہوئے بادلوں سے بھی زیادہ بے وزن محسوس ہورہا تھا......اس کی میت کو جنازہ گاہ لے جانے والی چارپائی پر منتقل کیا جاچکا تھا اور اب میرے چاروں بچے اپنی ماں کا آخری دیدار کررہے تھے......16 برس کی رفاقت ...... کبھی ایک طویل مدت معلوم ہوتی اور یوں لگتا جیسے ہمیں ساتھ رہتے صدیاں ہی تو بیت گئی تھیں ...... اور کبھی لگتا کہ جیسے وہ دن ابھی کل ہی تو میری زندگی میں آیا تھا۔ سُرخ عروسی لباس میں، حُسن کے تمام تر لوازمات کے ساتھ وہ 20 سالہ نوخیز دوشیزہ میرے سامنے تھی۔ جس پہ پہلی نظر پڑتے ہی میں مبہوت ہوگیا تھا......اور میرے دھڑکتے دل نے گواہی دی تھی کہ میری شریکِ زندگی بنائی جانے والی عورت دنیا کی حسین ترین خاتون ہے اور مجھے تمام زندگی اس کے ساتھ بہت محبت کرنی ہے اس کے نازک دل کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچائی اور حالات کی ہر سختی کو اپنے سینے پہ سہنا ہے ......مگر ان 16 برسوں کے حقائق میرے اولین جذبات کے کس قدر منافی تھے......ان 16 سالوں میں میں نے، میرے ماں باپ نے، میرے بہن بھائیوں نے اور میرے پورے خاندان نے......وہ کون سا دکھ تھا جو اُسے نہ دیا تھا!

آہ!! میرے دل کو سینے میں کوئی مسلنے لگا......اتنا ستایا کہ فقط 36 سال کی عمر میں وہ زخمی زخمی تن اور ٹوٹا پھوٹا من لے کر اس دنیا سے ہی سدھار گئی۔

میرا بڑا بیٹا اس وقت جوانی کی پہلی سیڑھی پہ کھڑا تھا ......اس کے نوخیز چہرے پہ غم کی گھٹائیں تھیں ...... وہ ایک ٹک اپنی مردہ ماں کے چہرے اور بند آنکھوں کو دیکھے جارہا تھا......اس بات سے بے خبر کہ آنسو موتیوں کی لڑی کی مانند اس کی آنکھوں سے گرے جارہے ہیں......میری دونوں بیٹیاں حالات کی سنگینی کو محسوس کرکے سہمی کھڑی تھیں...... جب میں چارپائی کے قریب آیا تو دونوں مجھ سے لپٹ کر اس زور سے روئیں کہ تمام مجمع رو دیا بڑی والی تو روتے روتے بے ہوش ہوگئی اور اُس کی خالہ نے آگے بڑھ کر اُسے تھام لیا میرا تین سالہ چھوٹا بیٹا اس وقت میری چھوٹی بہن کی گود میں تھا اور اس لئے زار و قطار رو رہا تھا کہ وہ اپنی سگی پھوپھی کو پہچانتا نہیں تھا اور مجھے دیکھ کر میرے پاس آنا چاہ رہا تھا ......اُسے کہاں سمجھ تھی کہ اُس کا سب سے بڑا نقصان ہو چکا ہے۔ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے سہی...... بہت بھاگ دوڑ کروا کر ہاتھ آنے پہ ایک تھپڑ لگا کر سہی ...... اس کے سارے کام

کرنے والی...... محبت سے معمور سینے سے اُسے لگا کر کبھی رونے اور کبھی ہنسنے والی اُس کی ماں ...... حالات کے بے رحم ہاتھوں میں اُسے دے کر اسے ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر جا چکی ہے۔

بچوں سے نظریں پھیر کر میں نے دوبارہ اپنی توجہ اپنی بیوی، اپنے گھر کی مالکن اور اپنے شہرِ دل کی مکین کی طرف کی جس کا وجود اب یہاں کا مہمان تھا...... کچھ دیر بعد میں اپنے ہاتھوں سے اُسے منوں مٹی تلے دفن کرنے والا تھا اس کا زرد چہرہ جو کبھی گلاب کی مانند کھلا ہوا تھا، اس وقت تمام دکھوں سے نجات پا کر دوبارہ نوجوان اور شگفتہ ہو چکا تھا...... اُس کی ہنسی، اُس کے آنسو، اس کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی تھیں ...... مسجد سے اعلان شروع ہوا ...... وقار احمد کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا ہے اور نمازِ جنازہ اب سے کچھ دیر بعد بڑے گراؤنڈ میں ادا کی جائے گی، تمام حضرات شرکت فرما کر ثوابِ دارین حاصل کریں...... تو میں چونک پڑا ...... وقت بہت کم رہ گیا تھا...... آگے بڑھ کر میں نے اُس کی بے جان پیشانی چوم لی ...... میرے بے اختیار آنسو اس کے چہرے کو بھگو گئے......

''بچو! اپنی ماں کو خدا حافظ کہہ دو'' آنسوؤں سے بھیگی آواز میری تو نہ تھی ...... چھوٹا وسیم یہ سن کر کہ ماں کو خدا حافظ کہہ دو......زور سے چیخا اور بازو پھیلا دیئے وہ سمجھا کہ ماں جا رہی ہے اور اُسے ساتھ نہیں لے جا رہی ......''میں بھی اماں ساتھ جاؤں گا......'' ماں واقعی جا رہی تھی اور اُسے اپنے ساتھ نہیں لے جا رہی تھی...... ''باجی! آپ وسیم کو پکڑ لیں۔'' میں نے اپنی بڑی سالی سے کہا تھا اور باہر کی طرف لپکا تھا ......

تھوڑی دیر بعد میرا سالا اور میرے چچا میرے ساتھ آئے تھے۔ عورتوں سے پیچھے ہٹنے کی درخواست کی گئی اور ہم نے آگے بڑھ کر اُس کی چار پائی اٹھائی تھی ...... دبی دبی سسکیوں میں بچوں نے، بہنوں اور سسرالیوں نے اُسے الوادع کہہ دیا تھا......

جنازہ شروع ہونے والا تھا۔ میں نے ادھر اُدھر دیکھا مگر اپنا بڑا بیٹا جنید مجھے نظر نہ آیا ''حافظ صاحب! نماز شروع نہ کروائیں، میں جنید کو لے کر آتا ہوں......'' یہ کہہ کر میں نے پورے گراؤنڈ میں اُسے تلاشا مگر وہ مجھے نظر نہ آیا...... گھر والی گلی میں مڑا تو وہ دروازے کی دہلیز پہ بیٹھا نظر آیا۔ بازؤں میں چہرہ چھپائے ...... پاس جا کر میں نے اسکو کندھوں سے پکڑ کر اٹھایا۔ ''آؤ جنید! جنازہ شروع ہونے لگا ہے'' ''ابو جانی۔!! ابو جانی!!'' کہتا وہ میرے سینے سے لگ کر بچوں کی طرح رو دیا......'' آؤ میرا بچہ! ابھی ہم نے بہت رونا ہے ......آؤ تمہاری ماں کو اُس کی آخری منزل پہ چھوڑ آئیں......'' اُس کے گرد اپنے ایک بازو کا حلقہ قائم کر کے میں اسے گراؤنڈ کی طرف لے جانے لگا......

☆......☆......☆

''جب میں مر جاؤں گی تب تمہیں میری بات کی سمجھ آئے گی مگر اُس وقت سوائے پچھتاوے کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔'' اماں اس بات کو اتنی کثرت سے کرتی تھیں کہ میں بیزار ہو جاتا تھا اور منہ بنا کر وہاں سے اُٹھ جاتا تھا......اب

......اب سمجھ میں آ رہا ہے کہ جیسے اماں کو یہ بات پتہ تھی۔اس لئے اتنی زیادہ دہرایا کرتی تھیں۔ سینے میں دل اور چہرے پہ آنکھیں آنسو بہا بہا کر شل ہو چکی تھیں مگر کسی طور پر چین نہ تھا۔میں پندرہ سال کا ہو گیا تھا اور یہ بات مجھے آج پتا چلی تھی کہ اماں سے کتنی محبت کرتا تھا......اتنی زیادہ کہ اب مجھے لگ رہا تھا کہ میں جی نہیں پاؤں گا......''ہائے اماں!'' میں بے اختیار ہو کر پھر رونے لگا۔

آج صبح میرا دل سینے میں بُری طرح تڑپا اور میری آنکھ کھل گئی۔میں فوراً اٹھا اور باہر آیا۔ابو جانی کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔وہ بیڈ پہ بیٹھے کسی سے موبائل پہ بات کر رہے تھے۔بات نہ معلوم مکمل ہوئی تھی کہ نہیں مگر انہوں نے چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا تھا...... ابو جانی اور آنسو!! میں تیزی سے اندر گیا۔کیا ہوا ابو جانی؟'' میں پریشانی میں ان کے قریب بیٹھا تو وہ مجھے سینے سے لگا کر رونے لگے۔

''جنید! تمہاری ماں ہمیں چھوڑ کر چلی گئی ہے......''

میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا ''کہاں چلی گئیں؟''

''اللہ کے پاس بیٹا!! وہ مر گئی ہے......''

چند لمحوں کے لئے میرے دل نے دھڑکنا بند کر دیا اور سانس بھی رک گئی...... میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے ابو جانی کی طرف دیکھنے لگا...... بیڈ کا ساتھ والا حصہ خالی تھا۔''اماں کہاں ہیں!!'' عجیب پھٹی ہوئی آواز میرے منہ سے نکلی۔

''ہسپتال......'' میں اب جا رہا ہوں......اس کی......''

ابو جانی کے ہونٹ کانپنے لگے......آنسو اُن کی آنکھوں سے زار و قطار گر رہے تھے۔''میت لے آؤں......تم بہنوں کو جگاؤ......انہیں حوصلہ دو، ابھی تمہاری خالہ آ رہی ہیں، وہ سب کچھ سنبھال لیں گی۔''

میرے دماغ میں ہتھوڑے برسنے لگے۔مجھ پر ایک سکتے کی سی کیفیت تھی۔دانیہ اور صبا میرے اٹھانے پہ اُٹھ تو گئیں مگر میری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر سہم گئیں۔

''منہ ہاتھ دھو کے کچن میں آؤ ناشتہ کرلو......'' میں بھیگی آواز میں کہہ کر کچن کی طرف مڑا تو دانیہ سامنے آ گئی۔

''بھائی......کیا بات ہے؟'' اُس کی آواز کانپ رہی تھی۔تب مجھے اندازہ ہوا کہ بیٹیاں اور بہنیں کتنی حساس ہوتی ہیں اور کیسے معاملے کو بھانپ لیتی ہیں۔مجھ سے تھپڑ اور کچو کے اور چٹکیاں کٹوا کٹوا کر بڑی ہونے والی دانیہ، میرے ناشتہ دینے پہ جان گئی تھی کہ کوئی ان ہونی ہو چکی ہے۔

''ناشتہ تو کرلو نا، پھر بتاتا ہوں'' میں آنسو پیتا کچن میں گیا۔

میرے جنید کی عادتیں صحیح مردوں والی ہیں...... چھوٹی موٹی بات پہ عورتوں کی طرح رونے نہیں بیٹھ جاتا۔میرا مرد بچہ......اماں کبھی کبھی بڑے فخر سے میری تعریف کرتیں...... اماں کا فخریہ لہجہ میرے کانوں میں گونجا تو حلوے کی پلیٹ میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور میں زور زور سے رونے لگا ......''اماں! میں مرد ہوں مگر آپ کا تو بچہ ہوں نا! اماں میں کیا کروں۔کیا کروں اماں''

دانیہ نے میرے ہاتھ پکڑ لئے ''بھائی اماں کو کیا ہوا ہے ؟''

میرا رونا دیکھ کر اُس کی سسکیاں نکلنے لگیں ۔ میں مزید برداشت نہ کر پایا اور دونوں کو اپنے دونوں بازوؤں میں لے کر رونے لگا۔

''اماں اللہ میاں کے پاس چلی گئی ہیں...... دانی! صبا! ہماری اماں ہمیں چھوڑ کر چلی گی ہیں...... نہ معلوم ہم کتنی دیر یونہی رہتے مگر باہر کا دروازہ زور زور سے بجنے لگا۔ میں چونکا، اپنے بڑے اور ذمہ دار ہونے کے احساس نے دروازے کی طرف دوڑایا۔ رابی خالہ اور اُن کے دونوں بچے باہر کھڑے تھے۔ خالہ مجھے دروازے پہ ہی گلے لگا کر رونے لگیں۔

جب بابا اور خالو شیراز ہسپتال سے اماں کی میت لے کر گھر آ گئے اور محلّہ کی بھی بہت سی خواتین ہمارے گھر آ چکی تھیں تو ساتھ والی کالونی سے میری پھپھو اور تائی ہمارے گھر آئیں ۔شاید ڈیڑھ سال بعد یا اس سے بھی زیادہ مدت کے بعد وہ ہمارے گھر داخل ہوئی تھیں......غم کا شائبہ تک نہ تھا اُن کے چہرے پہ...... جو باتیں اماں کی زندگی میں میری سمجھ آ کر بھی نہ آئی تھیں......زندگی کے سب سے بڑے غم کے سامنے آتے ہی ہر وہ بات حق اور سچ ہو کر سامنے آ گئی تھی......''ہائے اماں !'' میں دیوار پہ بازو رکھ کے رونے لگا......

☆......☆......☆

عریشہ کے لئے لحد کھودی جا چکی تھی اور ہم نماز جنازہ کے بعد قبرستان پہنچ چکے تھے۔

''صاحب! ایک نظر قبر کو دیکھ لیں۔''

گورکن نے پیشہ ورانہ انداز میں کہا تو میرے دل کا بوجھ مزید بڑھ گیا......آہ!! میں نے لحد پہ نظر ڈالی جس میں ابھی مجھے اپنی گھر والی اور اپنے بچوں کی ماں کو دفن کرنا تھا ......دل نے اُس سے دھڑ دھڑ کر کے گواہی دی تھی کہ اُس کی روح اور اُس کا دل تو میں برسوں سے دفن کر چکا تھا......اب تو صرف جسدِ خاکی دفن کرنے کی رسم پوری کرنے آیا ہوں اور روح و دل کی تدفین کا تو مجھے کوئی غم بھی نہ تھا تو پھر خاکی جسم کی تدفین پہ دل درد سے کیوں پھٹا جا رہا ہے؟؟

''وقار بھائی! آیئے ......'' میں نے سوجی نظریں اوپر اٹھائیں تو جیداور اُس کا ماموں میرے بازو تھامے آخری فرض کی طرف بلا رہے تھے......ایک طرف سے جنید نے پکڑا اور دوسری طرف سے اُس کے ماموں نے درمیان سے میں نے سہارا دے کر اپنی شریک حیات کو مٹی کے حوالے کر دیا۔

نہ معلوم مزید کتنی دیر لگی تھی ...... ہوش آیا تو جنید فاتحہ خوانی کر رہا تھا اور عریشہ کا بھائی قریب کھڑے میرے بھائی کے گلے مل رہا تھا...... جو''نامعلوم وجوہات'' کی بنا پر بھابھی کا جنازہ تک نہ پڑھ سکا تھا...... میں ہاتھ اٹھائے دعا مانگنے کی بجائے اپنے ہاتھوں سے روندے اپنے گھروندے کی کرچیاں اپنی ہتھیلیوں میں تلاش کر رہا تھا......

آہ......!! تمام زندگی میری اور میرے متعلقین کی حرکتوں پہ صدائے احتجاج بلند کرنے والی......احتجاج کے نتیجہ میں مزید جوروستم سہنے والی ...... لوگوں کے چھوٹے چھوٹے دکھوں پہ اُن کے ساتھ رونے والی...... ہر غلطی کو آگے بڑھ کر تسلیم کر لینے والی......صرف اور صرف میرے گھر اور میرے بچوں کے بارے میں سوچنے والی......مجھ سے اور فقط مجھ سے ہی محبت کرنے والی ...... میری محبوبہ...... میری

زندگی کا روشن چاند اور میرے گھر کی مالکن اپنے مالک کے پاس جا چکی تھی......اُس کا ہر درد راحت میں بدل چکا ہوگا اور ہر درد کا درماں ہو چکا ہوگا......اُس کے تھکے وجود کو سکون کی ابدی منزل مل گئی تھی۔

ابھی رات کو ایکدم سوتے سے اُٹھ کر اُس نے میرے ہاتھ تھام لئے تھے......

''وقار ! ایک بات کہوں......'' میں نے ٹی وی پہ نظریں جمائے کہا''ہوں......''

''وہ جو میں کہتی تھی نا! کہ میں روزِ محشر آپ سے یا آپ کے سارے خاندان سے حساب لوں گی اور کسی کو معاف نہیں کروں گی......تو میں غلط کہتی تھی......میں نے سب کو معاف کر دیا......آپ کو بھی اور اُن سب کو بھی'' اُس کے لہجے میں یقیناً کچھ تھا......میں نے ٹی وی سے نظریں ہٹا کر غور سے اُسے دیکھا تھا...... اس کا حسن زمانے کے زیرو بم کا شکار ہو کر گہنا گیا تھا......مگر کبھی کبھی اُس کا عروسِ حسن لوٹ لوٹ آتا......

ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ کیا بات کروں کہ اچانک اس کی گرفت میرے ہاتھوں پہ کمزور ہو گئی......اور وہ ایک سائیڈ کو ڈھے سی گئی......''عریشہ! عرشیہ!'' مگر وہ شدید تشنجی کیفیت میں تھی۔ درد اُس کے چہرے پہ ثبت ہو گیا تھا......اُسے ہسپتال لے جاتے مجھے آدھا گھنٹہ لگا تھا اور اُس کے دنیا سے گذر جانے کی خبر فقط چند گھنٹے بعد فجر کے وقت ڈاکٹر نے مجھے دے دی تھی......آہ! وہ جاتے جاتے بھی بازی لے گئی تھی......وفادار بیوی تھی نا!! ہر گناہ ہر غلطی معاف کر گئی......مگر اے میری عزیز از جان ہستی! ہمیشہ کی طرح میں اب بھی پیچھے رہ گیا تھا......تاز ندگی بھی اپنے گناہوں کو تمہارے سامنے کبھی نہ قبولا اور نہ جاتے سمے خود تم سے معافی ہی مانگ سکا......

شدید ذہنی صدمے کے ساتھ بالکل رسمی انداز میں اپنے اُس بھائی کے گلے لگا تھا جس نے ایک مدت میری بیوی کا جینا حرام کئے رکھا تھا......وہ کچھ بھی کہتا......میں جانتا تھا کہ اسے عریشہ کے مرنے کا قطعاً دکھ نہ تھا...... ہر وہ بات جو وہ تازندگی کہتی رہی......آج اُس کی اچانک موت نے مجھے سمجھا دی تھی......مگر اب کیا فائدہ......بہت دیر ہو چکی تھی......

سب کچھ سیٹ ہوسکتا تھا، ہر شے اپنی جگہ پہ آ سکتی تھی......مگر میرے بچے اپنی ماں سے محروم ہو چکے تھے اور یہ محرومی کسی بھی قیمت پہ دور نہیں ہو سکتی تھی......حتیٰ کہ میری دوسری شادی بھی ان کی ''ماں'' نہ دے سکتی تھی۔

کاش!! ہم لوگ اپنے پیاروں کی زندگی میں ہی اُن کی قدر کو سمجھ لیں......تاکہ جب وہ ہمیں چھوڑ کر اپنے مالک کو جا ملیں تو ملال اور پچھتاوے ہمارا مقدر نہ ہوں......بچھڑنے کا دکھ تو ہوتا ہی ہے مگر اس میں دکھ دینے اور تڑپا تڑپا کر رخصت کرنے کا درد تو شامل نہ ہو......کاش!! اے میرے رب کاش!!

میں آنسوؤں سے بھری آنکھیں لئے جنید کی طرف مڑا تھا۔ اُس کے چہرے پہ مسکینی اور میری ہی طرح ماں کے درد واذیت میں اضافے ہی دینے کا کرب چھایا ہوا تھا......اُسے اپنے ساتھ لپٹائے میں اپنے لٹے پٹے گھر کی طرف چل رہا تھا......

ہما جبین فیصل

اِک لمحۂ آگہی

افوہ...... یہ لائٹ پھر چلی گئی!

ندرت نے قیمہ پیسنے والی مشین کا بٹن زور سے بند کرتے ہوئے کہا۔ایک تو یہاں ہر وقت مسائل کا انبار موجود ہے، کام میں کوئی آسان نہیں۔

ارے کیا ہوا بیٹا! کیوں غصہ کر رہی ہو۔

پیچھے سے اماں جان کی فکر مند آواز آئی۔

بس کچھ نہیں اماں جان! آپ کو تو علم ہے کہ کتنا ڈھیر کام سر پر پڑا ہے اور لائٹ بھی چلی گئی ہے اوپر سے یہ شمشاد آج پھر چھٹی کر کے بیٹھ گئی ہے۔ بتائیں کیسے میں اکیلی جان یہ سب کام نمٹاؤں۔

ندرت نے روہانسے لہجے میں پیاز کی ٹوکری اماں جان کے قریب رکھتے ہوئے کہا۔

ہاں تو بیٹا لاؤ کچھ کام میں نمٹا دوں۔ بوڑھی ضرور ہوگئی ہوں لیکن بے کار تو نہیں ہوں نا۔ چلو تم غصہ تھوک دو اور ایک گلاس ٹھنڈے پانی کا پیو ابھی سب کام نمٹ جائے گا۔ ندرت کی ساس نے مسکراتے ہوئے ہمیشہ کی طرح ندرت کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔

لائٹ جانا اور کام والی ماسی کا کبھی دیر سویرے سے آنا تو معمول بن گیا تھا۔اصل غصے کی وجہ کام کی زیادتی تھی۔آج سرمد، ندرت کے شوہر نے اپنے کچھ دوستوں کو رات کے کھانے پر بلایا تھا اور تاکید کی تھی کہ کھانا بہت عمدہ اور انتظام بہت اچھا ہونا چاہیے۔اسی لئے ندرت کو وقت کی تنگی کا زیادہ احساس ہو رہا تھا۔10 بج چکے تھے،ایک بجے تک بچے اسکول سے آنا شروع ہو جاتے تو پھر کھانا کھلانے اور ہوم ورک وغیرہ کرانے میں شام یونہی گزر جاتی تھی۔

ندرت نے جل بھن کر پھر کبابوں کے لئے مصالحہ کاٹنا شروع کر دیا، پلاؤ کی یخنی تیار کرنے کے بعد قورمے کو دم پر رکھا، میٹھا وہ رات کو ہی بنا چکی تھی، دہی بڑے اماں جان نے اپنے ذمے لے لئے تھے۔ایک گھنٹے بعد ہی لائٹ آ گئی۔

ندرت بیٹا آج صبح فجر کی نماز نہیں پڑھی کیا؟ اماں جان نے انتہائی نرمی سے پوچھا۔

نہیں وہ بس...... ندرت نے جھینپتے ہوئے کہا، لیکن آپ کو کیسے پتہ چلا اماں جان؟

بس بیٹا میں نے اتنی عمر کے ساتھ میں یہ محسوس کیا ہے کہ جس دن تمہاری فجر کی نماز قضا ہو جائے تم ایسے ہی گھبرائی پھرتی ہو، بیٹا نماز وقت پر ادا کیا کرو اور اگر کبھی قضا ہو جائے تو فوراً پڑھ لیا کرو۔

اچھا اماں جان ابھی پڑھتی ہوں۔ظہر سے پہلے ہی پڑھ لوں گی۔ یہ کہہ کر ندرت پھر سے کام میں مصروف ہوگئی۔

ٹیلی فون کی گھنٹی تواتر سے بجنے پر اماں جان نے فون

اُٹھایا دوسری طرف ان کی بیٹی صفیہ بانو تھیں۔

صفیہ بیٹی! الحمد للہ سب خیریت ہے تم سناؤ آواز میں کچھ افسردگی سی ہے؟

بس اماں جان بات ہی کچھ ایسی ہے۔صفیہ بانو دھیمے سے بولیں ،ارے بتاؤ تو سہی کیا ہوگیا؟ میرا تو دل ہولا جا رہا ہے اماں جان فکرمندی سے بولیں۔

وہ اماں آپ کو پتہ ہے نا میری پڑوسن سمیرا کا!

ارے ہاں ہاں وہی جو بڑی پیاری سی صورت کی مالک ہے، چار بچے ہیں نا اُس کے؟

جی اماں جان وہی ، بس کیا بتاؤں ، رات کو وہ لوگ شادی کی تقریب سے واپس آرہے تھے کہ گاڑی کا زبردست ایکسیڈنٹ ہوگیا، موقع پر ہی دم توڑ گئی سمیرا بچاری۔

انا للہ وانا الیہ راجعون......ارے تو شوہر اور بچوں کا کیا ہوا اماں جان بے تابی سے بولیں۔

بس اماں ابھی تو وہ سب I.C.U میں ہیں ، بڑی زبردست چوٹیں آئی ہیں ، ہاں سمیرا کی تدفین آج صبح ہوگئی ہے میں ابھی وہیں سے آرہی ہوں۔ یقین ہی نہیں آتا کہ سمیرا ہمیں چھوڑ کر چلی گئی ہے۔

ارے بیٹا آج کل تو پل کی خبر نہیں ،کب کیا ہو جائے ، اللہ مغفرت کرے سمیرا کی ، ایک نہ ایک دن سب کو ہی جانا ہے،اماں جان غمزدہ لہجے میں بولیں۔

جی اماں صحیح کہہ رہی ہیں آپ ! صفیہ بانو ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے بولیں اب میں فون رکھتی ہوں زندگی رہی تو پھر بات کریں گے۔

اچھی بات ہے بیٹا! میں بھی کوشش کروں گی کہ عصر تک تمہاری طرف چکر لگاؤں فی امان اللہ۔ ریسیور رکھ کر اماں جان وہیں گم صم بیٹھی رہ گئیں۔ندرت کسی کام سے اماں جان کے کمرے میں آئی تو انہیں یوں بیٹھا دیکھ کر ٹھٹک کر رہ گئی۔

کیا بات ہے اماں ؟ ایسے کیوں بیٹھی ہیں ،طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی؟

بس ویسے ہی! اماں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ وہ تمہیں سمیرا کا تو علم ہے نا صفیہ کی پڑوسن کا......

انہوں نے سارا قصہ سنا ڈالا۔ بات سنو ندرت بیٹی اللہ تو معاف کرنے والا ہے ہی۔لیکن بندوں کو بھی یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کسی وقت بھی بلاوا آ سکتا ہے اور قبر میں بھی نماز کے بارے میں سوال ہوگا۔ یہ بتاؤ تم نے فجر کی قضاء نماز پڑھ لی ؟

وہ اماں جان بھول گئی......ظہر کے ساتھ پڑھ لوں گی۔ یہ دیکھیں شمشاد نے تو آج شاید بالکل ہی چھٹی کر لی ابھی تک نہیں آئی اور موبائل بھی بند جا رہا ہے اس کا۔ ندرت روہانسی ہوکر بولی۔

بیٹا جانے مہلت عمل کتنی ہو، اپنے اعمال کی فکر کرو پہلے نماز پڑھو باقی کام ربِ کریم آسان کردے گا۔

اچھا اماں پڑھتی ہوں۔ یہ کہہ کر ندرت دروازے کی طرف دوڑی جہاں بچے اسکول سے آکر بے صبری سے اطلاعی گھنٹی بجا رہے تھے۔بچوں کو کھانے وغیرہ سے فارغ کروا کے ندرت نے گھڑی دیکھی تو عصر ہونے میں کچھ ہی وقت تھا ، جلدی جلدی نماز پڑھنی شروع کی ابھی فرض ہی

پڑھ پائی تھی کہ عصر کی اذان ہوگئی۔ افوہ آج پھر دیر ہوگئی۔ انشاءاللہ آئندہ وقت پر نماز ادا کروں گی اس نے پہلے کئی بار کا کیا ہوا عہد آج پھر دہرایا۔شکر ہے اماں جان ابھی گھر پر نہیں۔ وہ صفیہ بانوں کی طرف گئی ہوئی تھیں، وہ دیکھ لیتیں تو اور خفا ہوتیں۔

ابھی عصر پڑھ فارغ ہوئی ہی تھی کہ اطلاعی گھنٹی زور سے بجی ارے شمشاد تم آ گئیں! ندرت نے کچھ غصے کچھ خوشی سے ملی جلی کیفیت میں چیخ کر کہا۔

جی باجی! بس وہ معاف کر دیں ذرا دیر ہوگئی۔

کیا معاف کر دیں ......کیا تمہیں کل سے معلوم نہیں تھا کہ آج ہمارے گھر دعوت ہے پھر بھی......

چلو خیر آج کیا نیا بہانہ ہے تمہارے پاس؟

باجی اللہ کی قسم بہانہ نہیں بنا رہی۔ وہ میرا چھوٹا منا رات کو گھر کے باہر گٹر میں گر گیا تھا۔ کافی چوٹیں آئی ہیں، بازو کی ہڈی بھی ٹوٹی ہے جی، بس ابھی دوا کھا کے سویا ہے تو میں جلدی سے آ گئی۔

ارے تو پھر آج چھٹی ہی کر لیتیں، آدھا دن تو گزر ہی گیا اب کل ہی آتیں۔ ندرت نے اوپری دل سے کہا۔

بس باجی کیا کریں! شمشاد نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔ آپ کی ناراضگی کا ڈر تھا! اور پھر آج آتی یا کل، آپ کے سامنے جوابدہ تو ہونا ہی تھا۔ کل بھی ڈانٹ پڑتی......بس آپ فکر نہ کریں میں جلدی جلدی کام نمٹا لوں گی۔

یہ کہہ کر شمشاد کچن کی طرف چلی گئی اور ندرت وہیں کھڑی رہ گئی۔

شمشاد کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے ''آج یا کل آپ کے سامنے جوابدہ تو ہونا ہی تھا!''

ندرت نے بہتی آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے کمرے کا رخ کیا۔ ☆☆

حفصہ افضال

اجر کی میٹھی روٹی

نجانے کیسی دُھن سوار ہوئی اُسکے سر پر......

''مجھے پوزیشن لینی ہے'' پورے پارٹ ٹو میں بس یہی ایک جملہ اس کے دماغ میں سرسراتا رہا......اور اسی ایک ورد نے جہاں اُس سے ناولوں کا نشہ چھڑوایا وہیں رت جگے بھی کروائے۔

اُس کا شمار کبھی بھی پڑھا کو طالبات میں نہیں رہا تھا۔ اُسے کچھ ایسا جنون بھی نہیں تھا پڑھنے کا۔ ''بس اتنا پڑھو کہ آپ کے ٹھیک نمبر آجائیں'' پورے زمانۂ طالب علمی میں اُس کا یہی موقف رہا اور اس کے نزدیک ''ٹھیک نمبر'' ایوریج سے کچھ اوپر اور ''بہت اچھے'' نمبروں سے کچھ نیچے تھے۔ میٹرک میں 647، آئی سی ایس میں 830 اور بی ایس سی میں 581 مارکس اُس کے لئے ''ٹھیک نمبر'' تھے اس سے زیادہ نہ اُسے چاہ تھی نہ ہی ضرورت ...... رزلٹ آنے کے بعد اُس نے کبھی یہ تک نہ سوچا تھا کہ اگر وہ اتنا اور پڑھ لیتی تو اُس کے مزید اتنے نمبر آجاتے یہ قلق صرف راشدہ بیگم کو ہوتا اور اس کی وجہ اس کا بے حد ذہین ہونا تھا وہ کہتی تھیں کہ اگر وہ چاہے، ذرا سی کوشش کرے تو وہ ٹاپ کرسکتی ہے اور یہ حقیقت تھی، اس نے کبھی ایسا چاہا ہی نہیں تھا اور اگر راشدہ بیگم بہت زور دیتیں تو......

''آپ کیا سمجھتی ہیں میں جان بوجھ کر ایسا کرتی ہوں کیا؟ نہیں مما، مجھ سے واقعی اتنی اتنی دیر بیٹھ کر نہیں پڑھا جاتا......

''قسم سے میں دو گھنٹے سے زیادہ بیٹھ جاؤں تو مجھے اُلٹیاں آنے لگتی ہیں''

اُس کے اسی قسم کے جوابات ہوتے اور وہ ایسا کہنے میں ٹھیک بھی تھی ایک دفعہ میٹرک میں اس کا انگلش کا پیپر تھا غالبًا......اس نے لگاتار تین، چار گھنٹے بیٹھ کر پڑھا اور پھر ساری رات اُلٹیاں کرتے گزری۔

''میری آنکھیں درد کرنے لگتی ہیں''

''میرے سامنے لفظ گھومنے لگتے ہیں''

''مجھ سے مسلسل Concentrate نہیں کیا جاتا''

نیتجتًا راشدہ بیگم نے اُسے اسکے حال پہ چھوڑ دیا۔ وہ بچپن سے ہی ایسی تھی جب وہ اس سے کہتیں:

''ماہم! تم نے دو گھنٹے سے پہلے اُٹھنے کا نام نہیں لینا''

تو وہ بے زاری سے کہتی

''آپ مجھے ٹائم مت دیا کریں صرف یہ بتایا کریں کہ میں یاد کتنا کروں پھر وہ مجھ پر Depend کرتا ہے میں بھلے اُسے ایک گھنٹے میں کروں یا تین میں......'' اور اس نے وقت کو کبھی تین گھنٹوں تک جانے نہیں دیا تھا۔ لیکن یہ ساری باتیں ایم ایس سی پارٹ ٹو میں آکر بدل گئی تھیں۔ وہ پڑھتی تھی......

پاگلوں کی طرح ...... چار، پانچ گھنٹے نہیں بلکہ پوری پوری رات ...... نہ تو اس کا سر چکراتا، نہ ہی اُلٹیاں آتیں۔ایک عجیب سی لگن تھی ...... والہانہ پن ......جس نے اُسے دوڑائے رکھا اور صد شکر کہ اس کے پرچے بھی بہت اچھے ہو گئے تھے۔وہ مطمئن تھی۔

''دادو! دُعا کریں میری پوزیشن آئے''

اُسکا معمول تھا روزانہ رات کو دادو کے پاؤں دبانا ......ان سے جی بھر کر باتیں کرنا......

''ضرور پُتر کیوں نئیں ...... پرجے اِک دو مضموناں وچ رہ وی گئی تے خیرائے گھبرانا نئیں ......اگلی واری سئی''

''دادو!'' وہ تڑپ ہی تو گئی۔وہ اُن سے ''پوزیشن'' آنے کی دعا کا کہہ رہی تھی اور وہ اسے کیسی ''تسلی'' دے رہی تھیں۔

اُسکے اتنا دکھ سے کہنے پر کلثوم بی بی بھی گھبرا گئیں۔

''نئیں میرا مطلب اے کہ پریشان نئیں ہونا ......باقی ستے خیراں نے......ایمان دی گل اے محنت تے میری دھی نے بڑی کیتی اے، کوئی کسر نئیں چھڈی......اللہ ای بھاگ لائے''اور وہ پُرسکون ہو گئی۔

اُس نے صرف دادو سے ہی دعا کا نہیں کہا تھا، خود بھی بہت دعائیں کرتی تھی۔روزانہ عشاء کی نماز کے بعد ایک تسبیح پڑھتی۔حالانکہ اُس سے چھوٹی عروہ نے بہت مذاق اُڑایا۔

''دیکھیں مما! آپ کی صاحبزادی بھی وظیفے کرنے لگیں''

لیکن اُسے گویا کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔اُسے تو صرف پوزیشن لینا تھی ...... ہر قیمت پر......اپنی دن رات کی محنت کا خراج لینا تھا......

اور پھر بالآخر وہ دن بھی آ گیا

شام پانچ بجے اُسے عالیہ کا مسیج آیا

''اپنا رول نمبر بتاؤ''

کیوں خیریت ؟ اُسکا دل دھک دھک کرنے لگا ......تنفس بے قابو ہونے لگا۔

''رزلٹ تیار ہو گیا ہے لیکن ابھی ڈکلیئر نہیں ہوا۔ابو یونیورسٹی سے پتہ کروانے گئے ہیں، جلدی بتاؤ''

اور اُسے بس ایک منٹ لگا تھا حساب لگانے میں......

''میں عافیہ سے آگے بیٹھی تھی''

اور اگلے ہی پل اُس نے اپنا رول نمبر لکھ کر سینڈ کر دیا

08040610-009

گو اُسے اس گھڑی کا پچھلے دو ماہ سے بے صبری سے انتظار تھا۔لیکن اب جبکہ کچھ ہی دیر باقی تھی تو اس سے وقت گزارنا مشکل ہو رہا تھا ...... اس نے پہلے بھی گڑ گڑا کر دعائیں مانگی تھیں لیکن اب اُن میں مزید تڑپ آ گئی تھی۔اُس کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ اپنی تقدیر کا یہ صفحہ اپنے ہاتھوں سے لکھ ڈالے۔

مسیج ٹون بجی تھی، اس نے بے صبری سے موبائل تھاما۔

''مبارک ہو ماہم! تمہاری سیکنڈ پوزیشن ہے''

مسیج کیا تھا......گویا مژدہ جاں فزا تھا۔اُس نے گھر بھر میں واویلا مچا دیا۔دوست احباب کو فون گھمائے جانے لگے ۔گو راشدہ بیگم نے منع کیا۔

''ابھی ٹھہر جاؤ ماہم ! ابھی رزلٹ ڈکلیئر نہیں ہوا یہ تو اُسکے ابو نے پتہ کروایا ہے۔ پہلے رزلٹ اناؤنس ہو جانے دو''

اور اُسے ان کی یہ بات اپنی خوشی میں رکاوٹ لگی

''مما...... ! آپ اب بھی خوش نہیں ہیں؟ آپ کو ہی تو شوق تھا، آپ ہی تو کہتی تھیں میں ٹاپ کروں اور اب جبکہ سکینڈ ٹاپ پر ہوں میں یونیورسٹی کی پھر بھی آپ خوش نہیں ہیں ۔ پلیز میرا دل بُرا مت کریں آج مجھے جی بھر کر خوش ہونے دیں۔ یہ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی ''اور راشدہ بیگم خاموش ہو گئیں۔

سارا دن مبارکبادیں وصول کرتے گزر را تھا۔ آج گویا اُس کے لئے عید کا دن تھا۔

''صبح مجھے سحری کے وقت اٹھا دیجئے گا مما، شکرانے کا روزہ رکھوں گی''

اللہ کا شکر بھی تو ادا کرنا تھا جس نے اسے اتنی بڑی خوشخبری عنایت کی تھی۔

رات جب وہ بستر پر آئی تو اُس وقت بھی اس کی پلکوں میں خوشیوں کی خوبصورت تتلیوں کا رقص جاری تھا...... اُسے نیند نہیں آ رہی تھی ...... اور پھر...... بس ایک منٹ لگا تھا...... رقص تھم گیا تھا...... عافیہ کے آگے تو عنیقہ تھی ...... میں تو عافیہ کے پیچھے تھی...... اُس نے لرزتے ہاتھوں سے عنیقہ کو میسج کیا۔

''تمہارا رولنمبر کیا ہے عنیقہ......؟؟''

ابھی رقص تھما ضرور تھا...... اُجڑا نہیں تھا...... اُسے امید تھی...... اسے غلطی لگی ہے...... وہم ہو رہا ہے...... اتنی بڑی خبر ہے، اسے یقین نہیں آ رہا......

میسج ٹون بجی۔ ایک میسج دوپہر کو آیا تھا۔ ایک ابھی آیا تھا۔ اُسکا دل تب بھی بے قابو ہوا جا رہا تھا۔ اسکا دل اب بھی بے قابو ہو رہا تھا۔ لیکن تب کی اور اب کی صورتحال میں بہت فرق تھا اُس نے کپکپاتے ہاتھوں سے میسج کھولا۔

''08040610-009''

اُسے حیرت ہوئی...... اُس نے یہ میسج پڑھا اور وہ بالکل ٹھیک رہی...... اُس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا نہیں چھایا ...... اُسے چکر نہیں آیا...... اُس کے ہاتھوں نے موبائل کا وزن اٹھانے سے انکار نہیں کیا......

''عنیقہ کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہارا یہی رولنمبر ہے؟''

ایک آس تھی اُسے ...... ایک امید ...... تقدیر اس کے ساتھ اتنا بھیانک مذاق کیونکر کر سکتی ہے۔

''ہاں ماہم ! کیوں پوچھ رہی ہو؟؟''

وہ اُسے کیا بتاتی ...... اپنی ناکامی کا نوحہ سناتی یا اُس کی کامیابی کا سندیسہ دیتی......

پوزیشن تو اصل میں عنیقہ کی تھی۔ اُسے غلطی لگی تھی ...... لیکن اتنی بڑی غلطی ...... اُسے یقین نہیں آ رہا تھا...... اسے یقین آتا بھی کیسے وہ صرف ایک رزلٹ نہیں تھا...... اُسکے 360 دن تھے...... 360 راتیں تھیں...... اُسکا جنون تھا...... اُسکا خواب تھا...... لیکن اب خوابوں کی تتلی مر چکی تھی ...... اُس کی آنکھیں اُسکے لہو سے سرخ ہونے لگیں۔

اُس نے نجانے کیسے میسج ٹائپ کیا۔

''مبارک ہو عنیقہ ! تمہاری سکینڈ پوزیشن ہے، مجھے رولنمبر میں غلطی لگی تھی''

اور اس کے ساتھ ہی موبائل آف کر دیا۔

ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو عنیقہ اس سے پوچھ رہی تھی۔

''ماہم! میری کوئی پوزیشن نہیں؟؟''

بازی کیسے پلٹی تھی ...... سارے مہرے اُلٹے پڑے تھے۔

اس کے برابر میں لیٹی عروہ کی آنکھ کھلی۔ اُس نے اسے ادھ کھلی آنکھوں سے روتا دیکھا۔

''عروہ! میری کوئی پوزیشن نہیں''

ہچکیوں کے درمیان ادا کیئے گئے ان الفاظ نے اس کی پوری آنکھیں کھول دیں کیا مطلب؟ کس نے کہا؟ کب؟ کیسے؟

صورتحال ہی اتنی عجیب سی تھی کہ سمجھ میں نہ آتا تھا کیا سوال کیا جائے اور ساری بات سن لینے پر عروہ نے اُس سے کہا تھا۔

''اس میں کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے۔ ہو جاتا ہے کبھی ایسا۔ یہ کوئی اتنا بڑا زندگی اور موت کا مسئلہ نہیں ہے جو یوں واویلا کیا جائے''

میں نے سب کو بتا دیا......سب رشتے داروں کو...... دوستوں کو......تو کیا ہوا......؟ انسان کو غلطی لگ جاتی ہے۔ کہہ دیں گے کہ غلطی ہو گئی تھی۔ ابھی صبح ہو جانے دو۔ ایک دفعہ کنفرم کرنے دو......ہوسکتا ہے تمہاری ہی پوزیشن ہو...... تمہیں اب غلطی لگی ہو......

نہیں غلطی تب لگی تھی، اب نہیں......کاش تب غلطی نہ لگی ہوتی......تب ہی پتہ چل جاتا...... مجھے دکھ ہوتا...... میں ہرٹ ہوتی......لیکن یہ شرمندگی تو نہ ہوتی۔

اور وہ اُسے دلاسے دیتی رہی......سمجھاتی رہی......اور یونہی تسلیاں دیتے، سمجھاتے اس کی آنکھ لگ گئی، نجانے کب ...... ماہم نے اسے حسرت سے دیکھا: ''یہ کتنی خوش قسمت ہے آرام سے سو رہی ہے، کوئی فکر نہیں......کوئی پروا نہیں''

وہ ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی مسلسل رات کا دامن بھگوتی رہی......اللہ سے بہت سے شکوے کرتی رہی......

''میں نے آخر کمی کہاں چھوڑی تھی؟ دعامیں یا دوا میں ......''

صبح ساڑھے تین کا وقت تھا جب اُسے کچن میں سے کھٹر پٹر کی آوازیں آنے لگیں۔ راشدہ بیگم جاگ چکی تھیں ......سحری کی تیاریوں میں جت گئی تھیں...... وہ بھاگتی ہوئی اُنکے پاس پہنچی

مما......!!

راشدہ بیگم نے مڑ کر دیکھا۔ شدت گریۂ زاری سے سرخ پڑتی آنکھیں......لبالب پانیوں سے بھری ہوئیں......

''میری کوئی پوزیشن نہیں ہے ...... مجھے غلطی لگی ...... عنیقہ کی سکینڈ پوزیشن ہے ...... کیوں مما......! میرے ساتھ ایسے کیوں ہوا مما! آپ تو کہتی تھیں میں بہت ذہین ہوں، مجھے ذرا سی محنت کی ضرورت ہے......ذرا سا ہاتھ بڑھانے کی دیر ہے...... پھل خود میری گود میں گرے گا ...... پھر مجھے پھل کیوں نہیں ملا مما......'' وہ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔

انہوں نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔

اُسکے آنسوؤں میں مزید شدت آ گئی۔

''میں نے بہت محنت کی تھی......آپ گواہ ہیں نا؟ میں نے کوئی کمی نہیں چھوڑی'' وہ ان کے دونوں کاندھے تھامے، لرزتے، ہچکولے کھاتے وجود کے ساتھ نجانے کیسی یقین دہانی چاہ رہی تھی......

راشدہ بیگم کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ اُس سے کیا کہیں......ابھی کچھ گھنٹے قبل ہی تو وہ خوشی سے پاگل ہوئی جارہی تھی...... پھر اب آن کی آن میں ہی ایسا کیا ہو گیا تھا ......

''ہوا کیا؟؟ تم سے کس نے کہا کہ تمہاری کوئی پوزیشن نہیں، مجھے آرام سے سکون سے ساری بات تو بتاؤ میری جان......''

انہوں نے اس کے چہرے سے، آنسوؤں سے لپٹتی زلفوں کو پیچھے کرتے ہوئے کہا اور اس نے انہیں الف سے لیکر یے تک ساری کتھا سنا ڈالی...... کس طرح اُسے Misunderstanding ہوئی، وہ اپنا رولنمبر بھول گئی تھی، اسے بس اتنا یاد رہا کہ وہ عافیہ کے آگے بیٹھی تھی اور یہیں اُس سے بڑی بھول ہوئی۔ عافیہ نے اسے اپنا رولنمبر بہت پہلے سے ہی سینڈ کر دیا تھا، عالیہ کے ابو سے پتہ کروانے کیلئے، چنانچہ اس نے عافیہ سے اگلا رولنمبر عالیہ کو سینڈ کر دیا تھا جو درحقیقت عنیقہ کا تھا۔

''کوئی بات نہیں، کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے۔ اللہ کبھی ایسے بھی آزماتا ہے۔ خوشی دے کر یکدم چھین لیتا ہے تاکہ دیکھ سکے...... پرکھ سکے اپنے بندے کو...... جو خوشی کے عطا ہونے پہ اس قدر دیوانہ ہوا جارہا تھا......وہ اُس کے چھن جانے پہ کیسا ردِعمل ظاہر کرتا ہے......؟؟ ہمارا کام تو بس محنت کرنا ہے بیٹا ......بھرپور محنت......پھر آگے نتیجہ اللہ پہ چھوڑ دینا چاہیے......وہ بہتر جانتا ہے کہ ہمارے حق میں کیا بہتر ہے کیا نہیں؟؟''

''باتیں کرنا آسان ہے مما ......عمل کرنا بہت مشکل ...... میں نے تو اللہ سے بہت دعا کی تھی ...... بہت گڑگڑا کر ...... بہت تڑپ سے......اُس سے راتوں کی تنہائی میں بھی مانگا اور تہجد کی قبولیت میں بھی......'' اُس نے دو گھڑی توقف کیا۔

''درود شریف پڑھنے کی کتنی فضیلت ہے، آپ نے ہی تو بتایا تھا مجھے......آپ کو پتہ ہے میں روزانہ رات کو تسبیح درود شریف کی پڑھتی رہی......اس یقین کے ساتھ کہ اللہ اس عمل کے بدلے، جو اسکا پسندیدہ ترین ہے، مجھے ضرور نوازے گا ......''

اُس کی آواز میں پژمردگی تھی......شکستگی تھی ......اللہ سے شکوہ تھا

''اب مجھے سمجھ آیا کہ آپ کی پوزیشن کیوں نہیں آئی؟''

راشدہ بیگم کے چہرے پہ اطمینان پھیل گیا

''درود شریف پڑھنا واقعی بہت افضل عمل ہے آپ روزانہ اللہ کے محبوب کے حضور گلہائے عقیدت پیش کرتی رہیں......آپ کا یہ عمل یقیناً اللہ کو بہت پیارا لگا ہوگا...... بہت پسندیدہ......اور اُسے اچھا نہیں لگا ہوگا کہ وہ اتنے افضل عمل کے بدلے آپ کو ''اتنی حقیر'' شے دے......اُس نے سنبھال لیا ہوگا آپ کے اس عمل کو......کسی بڑی دین کے طور پہ......

جوآپ کی نجات کا باعث بن جائے......''

راشدہ بیگم کے الفاظ کیا تھے گویا امرت تھے جنہوں نے اس کی روح کو پرسکون کر دیا......تقریباً ساری رات عروہ اُسے سمجھاتی رہی تھی تسلیاں دیتی رہی تھی ......لیکن اس کی روح کو وہ قرار نہ آسکا جو اس لمحے آیا تھا۔واقعی ہم انسان بھی کتنے جذباتی ہیں،ذرا سے نقصان پہ تلملا اُٹھتے ہیں ...... خسارے پر بلبلا نے لگتے ہیں ......ہم بدنصیب فوراً اللہ سے شکوے کرنے لگتے ہیں ...... یہ سوچے بنا کہ وہ ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرنیوالا کبھی بھی ہمارے دامن کو خساروں کے کانٹوں سے تار تار نہیں کریگا بلکہ انہیں ہمیشہ کامیابیوں،رفعتوں اور عظمتوں کے گلدستوں سے مہکائے گا جو ہماری ابدی زندگی تک کو مہکا دیں......

ساری بات یقین کی ہے......صبر کے چولہے پہ اذیتوں اور تکلیفوں کی لکڑیاں جلانے کی......جس کی تپش وجود کو تپائے گی ضرور لیکن آخر میں طبیعت سیر کرنے کو صرف اجر کی میٹھی روٹی کافی ہوجائیگی......

ہم اُس ذات اکبر پہ یقین ہی نہیں کرتے !

☆☆☆

ادیبہ فریال انصاری

قیامِ پاکستان کی یادیں

ہجرت کی سچی داستان لکھوں، یا قیامِ پاکستان کے وقت کی یادیں......قلم کچھ لکھنے سے قاصر ہے...... واقعات کا ایک ہجوم ہے، جوتواتر سے دل ودماغ کی دہلیز پراترتا چلا آرہا ہے ......اورسمندر کے بہتے پانی کی پُر جوش لہروں کی طرح کنارے پرآتے آتے دم توڑ دیتا ہے ان بکھری ہوئی یادوں کی مالا کے موتیوں کومجتمع کر کے صفحۂ قرطاس پر بکھیرنا کتنا مشکل اور دقت طلب کام ہے...... یہ صرف وہی جان سکتے ہیں، جوان لمحوں کی اذیت ناکی سے واقفیت رکھتے ہوں، جہاں کلمہ کے نام پر قائم ہونے والے پاک وطن کی محبت میں سونے کے تاج سر پر رکھنے والے، زمین پرآ گئے، بڑی بڑی جائیدادیں لٹا کر، جن کے دل اپنے پیارے ملک کی محبت میں سرشار تھے، قلاش ہوکر وطن کی محبت میں سڑکوں پرآ گئے۔

ایسے ہی ، سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہونے والے میرے دادا جان، عمران حسن انصاری جو کہ انڈیا میں سہارن پور کے قاضی محلّہ کے مذہبی گھرانے میں دو بیٹوں کے بچپن میں ہی انتقال کر جانے کے بعد دنیا میں تولد ہوئے تو ان کے وہ نازنخرے اٹھائے گئے کہ دنیا نے حیرت سے دانتوں تلے انگلی داب لی، وہ جوتوں کی بہت بڑی فیکٹری کے مالک کے اکلوتے بیٹے تھے، جواپنے سفید بُراق کلف دار کڑک کُرتے میں سونے کے بٹن لگا کر پھرتے تھے، آباو اجداد موروں کے پروں کی تجارت اور ساتھ ساتھ تبلیغ دین کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ان کی تہجد گزار والدہ جوکہ بہت سے غریب گھرانوں کی کفالت نہایت خاموشی سے کرتی تھیں۔اکلوتے بیٹے کی منہ سے نکلی ہوئی ہرخواہش کو پورا کرنا اپنا فرض سمجھتی تھیں، بتقاضائے شفقتِ پدری، نہایت نازونعم سے پرورش نے اورروپے پیسے کی ریل پیل نے ان کے اندر نوابی طورطریقے پیدا کردیئے میسور کی پہاڑیوں پر گھڑسواری کرنے والے حسین وجمیل دادا جان نے حفظ قرآن مکمل کرنے کے بعد دنیاوی تعلیم بھی حاصل کی۔اپنے دوستوں میں نوٹوں کی برسات کرنے والے دادا جان نہایت عمدہ شاعری بھی کرتے تھے۔علم وادب سے خصوصی لگاؤ تھا ان کے بچپن کے دوستوں کا شمار آج پاکستان کے مشہور تاجروں میں ہوتا ہے۔ماں کی آنکھ کے تارے پرتو آج تک کسی دُکھ یاغم کی پرچھائیں بھی نہ پڑی تھی قیامِ پاکستان کے وقت جب ہر کسی کے دل میں اپنے پیارے وطن کی محبت ٹھاٹھیں ماررہی تھی ہرنفس اپنے وطن کی مٹی پرسجدہ کرنے کے لئے بے چین تھا،

لے کے رہیں گے پاکستان بٹ کے رہے گا ہندوستان

جیسے نعرے دلوں میں آگ لگا دیتے۔ ہر کلمہ پڑھنے والے کا اپنے مسلم ہونے پرفخر بے جا نہ تھا ایسے میں اپنا تمام

مال واسباب، جائیدادیں، روپیہ پیسہ محلات چھوڑ کر ہجرت کرنے والوں کے دلوں میں صرف اورصرف اپنی سرزمین پاک کی مٹی کو چُوم لینے کی آرزوتھی ان آزاد فضاؤں میں سانس لینے کی آرزوموجزن تھی جہاں صرف اللہ کا نام لیا جائے۔ کیونکہ یہ ملک اسلام کے نام پر ہی قائم کیا گیا تھا۔

یہ کیسی محبت......اور جذبات کا بھونچال اللہ نے دلوں کو عطا کر دیا تھا کہ مسلمان کی بھری ہوئی ٹرینیں پوری کی پوری خون میں نہاتی ہوئی پاکستان کے اسٹیشنوں پر اُتر رہی تھیں ،سکھوں نے کرپانوں میں بچوں کو پروکر مسلمانوں کو ڈرانا چاہا یا حاملہ ماؤں کے پیٹ میں خنجر اُتار ڈالے، پھر بھی وہ جذبہ کم نہ ہوا، بلکہ شدید سے شدید تر ہوتا چلا گیا۔ ایسے میں ڈر اور خوف سے بھرے جسم کی ہجرت، اپنے وطن جانے کی خوشی اور مسرت پر حاوی نہ تھی۔

مردوں کے ڈبے میں سوار دادا جان کو درجن بھر سکھوں نے کرپانوں کی زد پر رکھ لیا، کہ ہم پاکستان نہیں بننے دینگے، اور تم کو مار ڈالیں گے۔ حافظِ قرآن کے چہرے پر زردیاں تو چھا گئیں، لیکن وہ مستقل اللہ کا کلام پڑھتے رہے پوری رات سرہانے کھڑے شقی القلب سکھ ہر جانب سے کرپانوں کی نوکیں چبھوکر ان کا تمسخر اڑاتے رہے کہ اسکا خون ہم چاٹیں گے۔ ان کے پورے خاندان اوران کوقتل کی دھمکیاں اور خون کی ندیاں بہا دینے کے ڈراوے دینے والے وہ بدبخت درندے ،جنھوں نے نہ کچھ کھانے پینے دیا اور نہ سونے دیا،معصوم اور نیک سیرت حساس حافظ قرآن مستقل قرآنی آیات کی تلاوت کرتے رہےاوراللہ سے اپنی اوراپنے خاندان والوں کی عافیت کی دعائیں کرتے رہے قرآن کی برکت سے اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ کسی گاؤں کی طرف ٹرین پہنچی، قریب تھا کہ سکھ ان کا کام تمام کر دیتے ،ٹرین کے رکتے ہی کچھ لوگ اور پولیس والے ٹرین میں چڑھے جو کہ دادا جان کے رشتہ داروں میں سے تھے انہیں دیکھتے ہی سکھ تو ٹرین سے کود کر بھاگ گئے لیکن میرے نازک مزاج دادا جان ٹرین سے اترتے ہی بے ہوش ہو گئے اور اپنا دماغی توازن کھو بیٹھے۔ ان کو کچھ یاد نہ تھا کہ وہ کون ہیں اوران کا خاندان، اہل وعیال کون ہیں حافظِ قرآن ہونے کی برکت سے وہ اوران کی فیملی پاکستان تو پہنچ گئی لیکن ان کی اپنی حالت مردوں سے بھی بدتر ہو گئی کافی عرصہ تک خوف و ہراس میں مبتلا رہے بہت عرصے تک انکا علاج ہوتا رہا پاکستان کی محبت میں آج بھی خنجر ،تلوار یا چھری دیکھ کر خوفزدہ ہو جانے والا، ہوش وخرد سے بیگانہ ہو گیا۔ یہاں آکر بہت زیادہ مشقتیں اٹھائیں اور بیوی بچوں سمیت بہت تکلیفیں جھیلیں لیکن اپنے پیارے وطن سے محبت کا یہ عالم تھا کہ وہ کبھی بھی واپس ہندوستان جانے کو تیار نہ ہوئے اپنے وطن کی محبت میں اپنے آپ کو قربان کر دیا۔ پاکستان کے لئے ،ایک نوزائیدہ مملکت کے لئے اپنی خدمات اوراس کی ترقی میں حصہ دار بن جانے کا حق ادا نہ کرنا، ان کے دل پر سدا بوجھ بنا رہا، کچھ عرصہ، طبیعت ٹھیک ہو جانے پر انہوں نے پاکستان کے مشہور ادبی رسالہ میں مدیر کے فرائض بھی انجام دیئے لیکن وہ ڈر اور خوف ان کے دل سے نہیں نکلا نتیجتاً دوبارہ ان کے ہوشمندی کی حالت سے بیگانہ ہونے میں بہت کم وقت لگتا، یوں پاکستان مخالف قوتوں نے ان کو اس

قابل نہ چھوڑا کہ وہ ملک وقوم کی ترقی میں معاونت کر سکتے دل اور دماغ میں بیٹھے ہوئے خوف و ہراس نے ان کو دوبارہ زندگی کی طرف آنے نہ دیا، اور یوں ایک ہوشمند، حافظِ قرآن نے ایک ہی کمرہ میں زندگی گزاردی اور دنیا سے رخصت ہو گئے۔

یہ میرا پیارا وطن، آج اس کی موجودہ حالتِ زار دیکھ کر دل کٹتا ہے اور خون کے آنسو روتا ہے، کہ ہمارے آباؤ اجداد نے اس کی خاطر کیسی کیسی قربانیاں دیں اور ہم نے اس کا تھوڑا سا حق بھی ادا نہیں کیا ہے۔ اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنے پیارے وطن کی حقیقی معنوں میں خدمت کر سکیں، اور سچے پاکستانی مسلمان ہونے کا حق ادا کریں

ان کی یہ خوبصورت شاعری میرے پاس محفوظ ہے۔

؎ میرا حال یا رب یہ کیا ہو گیا — کہ جینا بھی دشوار سا ہو گیا
خبر اپنے بندے کی کچھ بھی نہ لی — بتا دے مجھے، کیا خفا ہو گیا
میں ہوں قابلِ رحم اے ذوالجلال — کہ دُکھ درد خود سے سوا ہو گیا
فقط رنج وغم میں گزرتے ہیں دن — میرا حُسن مجھ سے جدا ہو گیا
محبت کا نام و نشاں مٹ گیا — زمانہ عبث بے وفا ہو گیا
بھلائی کی اُمید کیا غیر سے — مدد گار میرا خدا ہو گیا
ترے در سے یارب نہ جاؤں کبھی — کہ مجھ کو ترا آسرا ہو گیا
مدینے سے عمرانؔ واپس نہ آؤں — اگر کاش جانا مرا ہو گیا

اے خدائے کریم، اے ستار

؎ اطاعت سے تیری جو منکر ہیں، اب شاد اُنہی کو دیکھا ہے
کرتے ہیں اطاعت جو تیری، ناشاد اُنہی کو دیکھا ہے
انصاف تو یہ ہے، اپنوں کا اعزاز بڑھایا جاتا ہے
ہے جائے عجب اور ہے حیرت، غیروں کو سراہا جاتا ہے
ظاہر جو نظر آتا ہے ہمیں ہم اُس کی حقیقت کیا جانیں
در پردہ خدائے برتر کی ہم رمز و حکمت کیا جانیں
عمرانؔ جہانِ فانی کی کیا قدر و قیمت جانی ہے
دھوکہ ہے، غلط فہمی ہے تجھے، ہر چیز یہاں کی فانی ہے

☆☆☆

ڈاکٹر بشریٰ تسنیم

کھٹک سی ہے جو سینے میں

پورے گیارہ سال بعد عالیہ نے اس جگہ کو دیکھا۔عجیب ملکوتی سا احساس اس کے رگ و پے میں سرائیت کرتا چلا گیا ۔ ہوش سنبھالنے کی یادوں کے ساتھ ساتھ اس مقام کی یادیں بھی ہوش وخرد افزاء ہوتی چلی گئی تھیں۔

ننھے ننھے ہاتھوں سے سوندھی سوندھی مہندی کی خوشبو ......چھن چھن کرتی چوڑیاں......سرخ رنگ کی انگوٹھی ، ریشمی کپڑے ، ٹک ٹک کرتا مگر پاؤں کو کاٹتا سنہری سینڈل ...... سنبھل نہ سکنے والا دوپٹہ جو بالوں میں لگی پنوں میں الجھ الجھ جاتا ۔عیدی ملنے کا انتظار جو سب سے زیادہ مسرور کن ہوتا، پاپڑ اور غبارے والے کو چمکتے دمکتے سکے دیتے ہوئے دل کا مچلنا......کاش ! اتنے پیارے نئے نکور سکے بھی میرے پاس رہتے اور غبارے بھی مل جاتے ...... ہر سال عید گاہ کے باہر ان مناظر کا انتظار اسے خوشی عطا کرتا تھا......بچپن سے لڑکپن تک اس جگہ سے وابستہ معصوم سے جذبے اور خوشیاں اپنا رنگ جماتی رہتیں۔

ہاتھوں میں مہندی کی خوشبو اور چھن چھن کرتی چوڑیوں کی آواز کے انداز ، دل میں اک نئی رُت ، نئے موسم کا انتظار کرنے لگے تھے ۔مگر وہ موسمِ بہار اس دہلیز کا رخ نہ کر رہا تھا ۔سکھی سہیلیاں اپنے اپنے چمن میں پھول کھلا رہی تھیں۔ عالیہ اپنے خوابوں کے چمن کی آبیاری کے لئے منتظر بیٹھی رہی......والدین نے اپنی سی کوشش کر لی مگر وہ وقت کسی کے ہاتھ نہ آ رہا تھا ۔عالیہ نے اس مدت میں کئی قسم کے کورس کر لئے اور پھر اپنے رب سے بھی ناطہ جوڑ لیا ۔ بے شک اسی کے ساتھ جڑا ہوا ناطہ سکون بھی عطا کرتا ہے اور اچھے وقت کا انتظار بھی سہل ہو جاتا ہے۔

عالیہ کی عمر تیس سال سے اوپر ہو چلی تھی ۔ والدین کی پریشانی اُس کو مزید ہولائے دیتی ۔" بہنیں اپنے گھروں میں خوش آباد تھیں بھائی اپنے اپنے روزگار کے سلسلہ میں دوسرے شہروں میں تھے ......عالیہ اپنے سر میں اترتی چاندی کے پہلے تار کا غم کھانے کے ساتھ ساتھ ، اپنے رب کی رحمت کے انتظار میں امید کا دامن پکڑے وقت بِتاتی رہی ۔ اُسی رمضان المبارک میں جب اُس کی ماں نے انگلیوں پہ حساب لگایا تھا کہ وہ پورے بتیس سال کی ہو چکی ہے تو ماں کا پریشان چہرہ دیکھ کر اس نے کچھ سوچا اور اعتکاف میں بیٹھنے کا ارادہ کر لیا......اعتکاف میں اُس نے اپنے رب سے بڑے وعدے کئے اور بڑے واسطے دیئے کہ اُس کے والدین کے سینے کا بوجھ ہٹا دے ، حالانکہ اسے اپنے لئے بوجھ کا لفظ سوچتے ہوئے سخت دل گرفتگی کا احساس ہوتا......نہ جانے معاشرے

نے بیٹی کے نام کے ساتھ ''بوجھ'' کا لفظ کیوں لگا دیا ہے اور بیٹیاں خود خجل ہوتی ہیں کہ وہ بوجھ ہیں اور پھر سسرال والے ایسے ہی تو بیٹی کے والدین پر احسان نہیں جتاتے، وہ بھی تو یہی سوچتے ہیں کہ کسی کا بوجھ ہم نے اپنے سر پہ لا دلیا ہے۔

دعا کرتے کرتے وہ کہیں سے کہیں پہنچ جاتی......اور پھر اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی بےبسی، اور نذر، وعدے کا اظہار کرتی ......اللہ! میں تیری فرماں بردار رہوں گی ۔ مجھے میرا شریکِ سفرِ حیات ملا دے۔ میں تیری رضا کے کام کروں گی مجھے اچھا سا زندگی کا ساتھ عطا کر دے'' اوراس طرح کے بہت سے ارادے اور وعدے اس نے اپنے رب کو منانے کے لئے کر ڈالے ......قبولیت کا کوئی لمحہ تھا اور وقت جو لکھا تھا وہ آ چکا تھا۔ رمضان کے چند ہفتے گزرنے کے بعد عالیہ کو ایک چمن کی آبیاری کا فریضہ سونپ دیا گیا۔ اس چمن کا مالی جانے اب تک کہاں چھپا ہوا تھا ...... حالانکہ عالیہ سے دو سال بڑا کاشف رشتہ داروں میں سے ہی تھا۔ عالیہ کو اپنے اعتکاف کا صلہ دنیا میں ہی مل گیا وہ بہت خوش تھی کہ اُس کی اعتکاف میں کی گئی دعائیں اتنی جلدی قبول ہو گئیں۔ والدین سال بھر میں دنیا سے منہ موڑ گئے جیسے کہ وہ عالیہ کی رخصتی کے فریضہ سے سبکدوش ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔

پورے گیارہ رمضان اور عیدیں گزرتے وقت کا پتہ ہی نہ چلا۔ عالیہ نے نو سالہ فرحان اور سات سالہ شافعہ کو دیکھا۔ وقت گزرنے کا یہ دونوں ثبوت ہیں۔ وہی ملکوتی سا احساس آج پھر دل میں پھوار سی ڈال رہا تھا۔ سسرال سے میکہ آنا بھی ہوتا تھا تو کبھی عید کا سماں نہ ہوتا تھا......عید گاہ میں بچوں اور خواتین کی آمد جاری تھی۔ سورج کی روشنی بہت تیز نہ ہوئی تھی۔ گرمی کے باوجود صبح کا وقت سہانا لگ رہا تھا......لگتا تھا کچھ نہیں بدلا۔ وہی رنگ برنگے لباس، چوڑیاں، مہندی لگے ہاتھ، بچوں کے رونے کی آوازیں ...... وہی غبارے اور پاپڑ والا اور بچوں کا جمگھٹا۔ عالیہ کو محسوس ہوا وہ بھی انہی بچیوں میں شامل ہے جو اپنے ریشمی کپڑوں پہ بڑے بڑے دوپٹے سنبھالنے میں مصروف ہیں...... عید گاہ میں قناتیں لگا کر خواتین کا انتظام کیا گیا تھا۔ ہر کوئی اپنے ساتھ لائی ہوئی چادر صفوں پہ بچھا کر اپنی جگہ متعین کر رہا تھا۔ عالیہ جو چند دن پہلے اپنی بہن کے گھر عید کرنے آئی تھی، آج بچپن کے اس ماحول کو یاد کر کے اپنے آپ میں گم سی ہو گئی تھی۔ عافیہ آپا کے بچے فرحان اور شافعہ کی حیرانی دور کرنے کی کوشش میں تھے ...... عالیہ کے سسرال میں عید کی نماز کے لئے جانے کا رواج ہی نہ تھا۔

کچھ ہی دیر میں لاؤڈ سپیکر سے نماز کھڑی ہونے کا اعلان ہوا اور سب نے دوگانہ ادا کیا۔ بچپن سے لڑکپن اور پھر شادی کے انتظار تک کتنی ہی نمازِ عید عالیہ نے اس مقام پر ادا کی تھیں۔ رمضان المبارک کے گزرنے کا احساس غم، عبادتوں کا سرور، عید کی خوشی اس کی عمر کے ساتھ ساتھ رنگ بدلتی رہی تھی ۔ وہ کچھ بےقراری سی محسوس کر رہی تھی جیسے گزرے راستوں پہ کچھ کھو گیا ہو......مگر ابھی وہ نہ جان سکی کہ کیا کھونے کا احساس بےچین کر رہا ہے۔

وہ کچھ بھی نہیں سوچ رہی تھی لیکن بہت سی سوچیں اس کے ادراک میں ترتیب پا رہی تھیں ......نماز کے بعد خطبہ

شروع ہوگیا مگر وہ ظاہری کانوں سے سن رہی تھی۔ اندر سے کچھ اور قسم کا شور سنائی دے رہا تھا۔ پھر اندر اور باہر کا شور یکجان یک آواز ہوگیا۔خطیب کی روتی، بلکتی سی آواز اس کے دل میں ہلچل سی مچا گئی۔ اردگرد بھی عورتوں کے سسکنے کی آواز آنے لگی۔ ہاں! یہی وہ آواز تھی جس کا شور اُسے بے چین کئے دے رہا تھا۔

''آہ میرا پیارا مہمان چلا گیا...... میرا محبوب چلا گیا ...... جو میرے لئے بہت کچھ لے کر آیا...... جو میں نے وصول نہ کیا...... میں نے مہمان کی خدمت نہ کی ......قدر نہ کی ...... جنہوں نے قدر کی وہ خوش قسمت ہیں۔کسی نے صرف کھانا پینا چھوڑا اور کسی نے اپنے نفس کی برائیاں چھوڑیں۔''

عالیہ کے دل کو ایک دھکا سا لگا۔اسے شادی سے پہلے کی آخری عید کا منظر یاد آیا جب وہ عید کی خوشی سے زیادہ رمضان کی گھڑیوں سے جدائی کا کرب محسوس کررہی تھی۔ اعتکاف میں جو وعدے اُس نے اپنے رب سے کئے تھے اور جو ارادے اپنے نفس کے ساتھ باندھے تھے......اُف! ایک سرد آہ اس کے سینے سے نکلی۔دل سے اٹھتی ہوئی دکھ کی لہر اُس کے حواسوں پہ چھانے لگی۔

''عالیہ! تو بہت گری ہوئی چیز ہے۔گھٹیا، وعدے کر کے مکر جانے والی......قبولیت دعا پہ شکر نہ کرنے والی۔''

سینے پہ پچھتاوے کی ایک بھاری سل آکر ٹک گئی۔اس بوجھ کو کم کرنے کیلئے وہ گزشتہ ماہ و سال کے شب و روز میں کچھ تلاش کرنے لگی۔

اعتکاف کے ذکر اذکار، مطالعہ قرآن یکسوئی کے ساتھ نوافل طویل رکوع و سجود کے ساتھ...... یہ سب شاید اسی ایک آرزو کو پورا کروانے کی خاطر تھے جو رمضان کے چند ہفتے بعد پوری ہوگئی تھی۔ گویا اس عبادت کا صلہ تو دنیا میں ہی مل گیا اور جو اس آرزو کے پورا ہونے پر وعدے کئے تھے......وہ نئی زندگی، نیا ماحول، نئی خوشیاں پا کر پس منظر میں چلے گئے۔عہد و پیماں کسی اپنے جیسے انسان سے نہیں، رب کائنات سے...... عالیہ ندامت، شرمندگی سے زمین میں گڑی جارہی تھی۔اتنے سال کے رمضان اُس نے دن بھر کھانا پینا چھوڑا، صرف افطاری پرنت نئے پکوان کی لذت حاصل کرنے کا تصور کر کے۔راتیں خریداری میں گزاریں۔زندگی کے سفر کی راہیں بدلیں تو ترجیحات بھی بدلتی چلی گئیں۔کاشف تعمیراتی کمپنی میں اچھے عہدے پر فائز تھا۔بیوی کو گھر کے معاملات میں خودمختار کر کے بری الذمہ ہو چکا تھا۔اپنے گھر کی خودمختار عالیہ نے دنیا داری میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔اُس کو کبھی محسوس ہی نہ ہوا کہ اٹھارہ سال کی عمر سے ہاتھ پیلے ہونے کے انتظار میں اُس نے کتنے کرب کے دن گزارے تھے اور شریک زندگی کے حصول کی دعا قبول ہونے کے لئے کیا کیا نذر و منت مانی تھی۔

عید کی تیاری میں چاندرات کو خاص طور پر بازاروں کی رونق بڑھانا اس کے سسرال کا خاصہ تھا۔عالیہ نے یہ روایت قائم رکھی۔روایتوں کا طرفہ تماشا یہی ہوتا ہے کہ وہ ہر نئے موسم اور وقت کے ساتھ لایعنی اضافے ہی لاتی ہیں۔ان دس سالوں میں چاندرات کی معصوم سی ''تیاری'' ہوتے ہوتے بہت سے معصوم جذبے ہڑپ کرگئی۔ شریف اور مہذب

گھرانوں کے حجاب اور تقدس نے اپنی روایتوں سے منہ موڑ لیا۔گزرے سال بے حجابی کے معاملے میں گزشتہ سوسال پہ بھاری ہیں۔

''عالیہ! تم شادی سے پہلے حجاب کا اہتمام کرنے والی ...... اب سوٹ کے ساتھ کا دوپٹہ گلے میں ڈالنا کافی سمجھتی ہو۔''اس نے خود کو جانچا اور پشیمانی بڑھنے لگی۔

اس کی سوچیں بہت ہی الجھی ہوئی تھیں۔وہ ان کا کوئی سرا پکڑ کر سلجھانا چاہتی تھی۔سوچوں میں گم، ماحول سے بیگانہ، سینے پہ بوجھ، دل میں دُکھ اور پراگندہ ذہن ۔ چہرے پہ ندامت کی چھاپ......

اُس کے من میں عجیب پراسراری خاموشی در آئی ۔لگتا تھا طوفان سے پہلے کا کوئی ٹھہراؤ ہے۔اردگرد کیا ہورہا ہے وہ اس سے بے نیاز سی بیٹھی رہی۔

''عالیہ! عالیہ! چلو گھر چلیں۔سب جا چکے،تم بیٹھی کیا سوچے جارہی ہو؟'' آپی کو اس سے تھوڑی دور نماز کے لئے جگہ ملی تھی۔وہ ملتی ملاتی عالیہ کے پاس پہنچیں عافیہ آپی کی آواز اُسے کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی۔

''عالیہ! تم ٹھیک تو ہو،کیا ہوا؟'' عافیہ نے فکرمندی سے پوچھا۔

''کچھ نہیں''

عافیہ نے اُسے ''عید مبارک'' کہہ کر گلے لگایا اور بولی، ''کاشف بھائی کے بغیر عید گزارنا اچھا نہیں لگ رہا نا!''

عالیہ نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا 'شاید'

گھر آکر دونوں بہنیں باورچی خانے میں مصروف ہو گئیں۔ناشتے کے بعد مرد حضرات ملنے ملانے باہر نکل گئے ۔آپی! میں بچوں کو تھوڑی دیر سلا دوں، رات بھر کے جاگے ہوئے ہیں''

''ہاں! ہاں ضرور''

''عالیہ بچوں کو لے کر اپنے کمرے میں آگئی۔'' پردے برابر کر کے پلنگ پر بچوں کے ساتھ لیٹ گئی۔وہ تنہائی میں اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی تھی۔تھوڑی ہی دیر میں بچے سو گئے۔

''عالیہ! یہ تم نے کیا کیا؟ کیا ہو گیا تھا تمہیں؟'' آنسو اس کی آنکھوں سے رواں ہو گئے۔اُس کا دل چاہا وہ کسی صحرا یا جنگل میں نکل جائے اور اپنے رب کو تلاش کرے۔دنیا والوں سے بے نیاز ہو کر۔سارے رشتے ختم کر دے۔بس اس کی ندامت اور پچھتاوے کا کوئی کفارہ ہو جائے۔وہ اتنی ملول ہو رہی تھی کہ ہلنا بھی دشوار تھا۔ساکت و جامد جسم جیسے مدتوں سے بیمار ہو۔صرف آنکھوں سے سیلِ رواں جاری تھا جس سے اس کا گریبان تر ہوتا جارہا تھا۔

''میں نے کتنے رمضان کی کتنی مبارک گھڑیاں ضائع کر دیں ۔ پتہ نہیں اب کوئی رمضان قسمت میں ہے یا نہیں؟ میں ان ساعتوں کو واپس لانے سے قاصر ہوں'' اسے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اس کے ہاتھ سے قیمتی شے پھسل گئی ہو۔جواہرات کے ڈھیر سامنے ہونے کے باوجود اس نے بے کار کنکر ہی جمع کئے ہوں۔یا اللہ! مجھے ایک رمضان المبارک اور نصیب کر دے، میں اس کی قدر کروں گی ...... روتے

روتے اُس کے اندر سے آہ نکلی لیکن ساتھ ہی ندامت کا ایک تھپیڑا پڑا کہ ''پہلے جو وعدے کئے تھے ان جیسا ہی حشر اب کرو گی۔''

''نہیں، میں ایسا نہیں کروں گی۔'' آنسوؤں سے بھیگی التجا میں درد کا سمندر شامل تھا۔

جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

موبائل کی بیپ سے اس کی آنکھ کھلی۔ چند لمحے تو اسے سوچنے میں لگے کہ وہ کہاں ہے؟ موبائل پہ کاشف کا نام جگمگا رہا تھا۔ وہ سنگاپور سے فون کر رہا تھا۔ تعمیراتی کمپنی نے اس کو دس بارہ دنوں کے لئے کام سے بھیجا تھا۔ عالیہ کی روئی روئی اور سوئی ہوئی آواز کو کاشف نے فوراً محسوس کر لیا۔ عید مبارک کہنے اور بچوں کا حال پوچھنے کے بعد اُس نے فون بند کر دیا۔

عالیہ کے دل کی خلش پھر عود کر آئی ''مجھے کیا کرنا چاہیے کہ مجھے سکون ملے۔'' یا اللہ! میری راہنمائی فرما۔ میں اپنے وعدے پورے نہ کرنے کی تلافی کرنا چاہتی ہوں۔ میں اپنی عمر کے قیمتی لمحات کو ضائع کرنے پہ شرمندہ ہوں۔ میری ندامت کو قبول فرما لے۔ میں صدق دل سے اپنی غفلتوں کی معافی چاہتی ہوں۔''

ظہر کی اذان ہونے لگی تو وہ اہتمام سے وضو کر کے جائے نماز پہ آ گئی۔ خوب دل جما کر اپنے رب کے حضور قیام رکوع وسجود کئے اور دل کی حالت کو آنسوؤں کی سنگت میں رب کے حضور پیش کرتی رہی۔

رمضان کے آنے میں پورا سال ہے۔ کئی سو دن۔ جانے تب تک کیا ہو جائے؟ آج عید الفطر ہے اور اُسے اگلے رمضان المبارک کا انتظار تھا۔ نماز کے بعد اس نے خصوصی دعا مانگی ''اے میرے مالک! آج سے میں تیرے ساتھ کئے ہوئے وعدوں کو پورا کروں گی، مجھے استقامت اور استعانت چاہیے۔'' ایک دم ہی اُسے احساس ہوا کہ یہ لفظ اس نے خود نہیں کہے کسی نے کہلوا دیئے ہیں۔ اسے یہ بھی ادراک ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی وعدہ کرتے ہوئے اسی سے استقامت اور استعانت طلب کرنا بھی لازمی ہوتا ہے ساتھ ہی اُسے سکون سا محسوس ہوا کہ کچھ بات بنتی نظر آ رہی ہے۔

شام کو جب عافیہ آپی کے ساتھ رشتہ داروں سے ملنے جانا ہوا تو عالیہ نے کچھ سوچا اور آپی سے کہنے لگی۔

''مجھے بڑی چادر چاہیے۔''

عافیہ نے یہ سوچتے ہوئے کہ پرانے محلّہ اور رشتہ داروں کے سامنے پرانے حلیہ میں جانا چاہتی ہے کوئی استفسار نہ کیا اور چادر لا کر دے دی۔ عالیہ نے دل میں اپنے رب کو پکارا'' اے اللہ! چھوڑی ہوئی منزل یاد آ گئی ہے راہی کو ......''

چادر لپیٹتے ہوئے اس نے خود کو کافی پُرسکون پایا۔ دو چار رشتہ داروں سے ملتے ہوئے دونوں آپا سلیمہ کے ہاں پہنچیں۔ جو ان دونوں کی قرآن کی استانی تھیں۔ ان سے گلے ملتے ہوئے عالیہ کا دل چاہا وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور اپنے دل کا حال کہہ ڈالے۔ ان کی شفقت کی ٹھنڈک اُسے اپنے اندر تک اترتی محسوس ہوئی۔ بچپنے کا سارا معصوم انداز عود کر آیا اور وہ آپا کے پہلو سے لگ کر بلکہ چمٹ کر بیٹھ گئی، جیسے کوئی بلی کا بچہ پہلو سے لگ کر خود کو مامون ومحفوظ سمجھنے لگے۔

انہوں نے سب بچوں کو عیدی دی اور عالیہ، عافیہ کے ہاتھ پر بھی دس دس کے نوٹ رکھے۔ یہ کہنے کو معمولی عیدی تھی مگر اس کی روح میں جہان آباد تھا۔

آپا جی! دعا کیجئے گا...... عالیہ یہ کہتے ہوئے اپنے دل کی کیفیتِ ندامت سے مجبور ہو کر کچھ مزید کہنے سے پہلے ہی رونے لگی ...... بند ٹوٹ گیا اور ہچکیاں لیتی عالیہ کو چپ کرانا مشکل ہو گیا۔

''کیا ہوا بیٹا......''

آپا سلیمہ اور عافیہ دونوں وہی سمجھیں جو بڑی بہن اور شفیق ماں شادی شدہ بہن، بیٹی کے بارے میں خدشات رکھتی ہے کہ سسرال میں کوئی مسئلہ ہے۔ میاں بیوی ایک دوسرے سے خوش نہیں ہیں۔

''ہاں! مجھے بتاؤ عالیہ، کیا پریشانی ہے؟ کہنے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔'' انہوں نے عالیہ کے آنسو پونچھے۔ عافیہ جھٹ سے پانی لے آئی۔

''میں نہیں بتا سکتی'' عالیہ کو خیال آیا۔ اپنے پیارے رب سے بدعہدی کی ہے دونوں کے درمیان ہی بات رہے ...... وہ اپنا پردہ ہی رکھ لے۔ اُس کا یہ کہنا دونوں کو مزید ہولانے لگا۔

کھانے پینے کی اشیا والی میز پرے ہٹا کر عافیہ بہن سے لپٹ گئی۔ اُسے وہی خدشہ ستانے لگا جو عموماً لڑکیوں کو اپنے شوہروں کی طرف سے ہوتا ہے...... بے وفائی کا...... اور یہی وہ دکھ ہے جو نہ سہا جائے نہ بتایا جائے عالی! عالی! کہتے ہوئے عافیہ اس کو پیار کرنے لگی۔ ''اللہ سمجھے کاشف کو......

''ایک دم عالیہ کو احساس ہوا کہ معاملہ کسی اور طرف کے احساس میں گندھا جا رہا ہے......

اُس نے ٹشو پیپر پرس سے نکالا۔ منہ صاف کیا اور ہنسنے لگی ''عافیہ آپی! کاشف کو کیا ہوا؟''

''اب تم ڈرامے نہ کرو میں خوب سمجھتی ہوں تم کیا چھپانے کی کوشش کر رہی ہو؟'' عالیہ کو خوب اچھی طرح علم تھا کہ عافیہ کے دل میں جو بات آ جائے اُسے نکالنا آسان نہیں ہے۔

''آپی! مجھے کچھ ایسا ویسا دکھ نہیں ہے جس کا تعلق کاشف کے ساتھ ہو، یقین کریں۔''

آپا سلیمہ نے غور سے عالیہ کو دیکھا۔ کاشف کے نام سے اس کے چہرے پہ رونق سی آ گئی تھی اور انہیں یقین ہو گیا کہ عالیہ ٹھیک کہہ رہی ہے، عافیہ کی بے یقین نظروں کو عالیہ نے تشویش سے دیکھا اور سچ کہنے کا فیصلہ کر لیا۔

''سلیمہ آپا! میں اپنے آپ سے۔ اپنے رب سے شرمندہ ہوں۔ آج عید گاہ میں مجھے دس گیارہ سال پہلے کی عید اور اپنے جذبات یاد آئے تو مجھے بہت سی ندامتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ میں کیا تھی۔ اب کیا ہو گئی ہوں؟

کیا کرنا چاہ رہی تھی...... کیا کرتی رہی ہوں!

اس کا گلا رندھنے لگا۔ آنسو گلے میں ''گولا سا بن کر اٹک گئے۔'' میں گزرے وقت کی تلافی کیسے کروں؟ رمضان کی وہ ساعتیں کیسے واپس لاؤں؟ شبِ قدر ضائع کرنے کا کیا کفارہ ادا کروں؟ وہی احساس ندامت طاری ہوتے ہی وہ سر جھکا کر دامن تر کرتی رہی۔ سلیمہ آپا اور عافیہ

سکتہ میں تھیں، ایسا رونا۔دل سے رونا۔انہوں نے کبھی نہ دیکھا تھا ...... دونوں کے دل بھی اندر ہی اندر برسات برسانے لگےاوراس کےاثرات آنکھوں میں نمایاں تھے،

''بیٹا،اللہ تعالیٰ کوندامت پسند ہے......وہ عبادت جس میں کوئی فخر یا غرور ہو کسی کا م کی نہیں۔ گناہ پہ ندامت ، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زیادہ مقبول ہے۔

'' مگر میں نے وہ ساری دعائیں ، وظیفے کیئے تھے وہ تو دنیا میں صلہ دے گئے کاشف کی صورت میں ۔ میں اپنے شوہر،سسرال ، بچوں کے معاملے میں بہت خوش قسمت ہوں ۔میں یہی تو مانگتی رہی...... جو مجھے کتنی جلدی مل گیااور میں نے اس کا کیا صلہ دیا۔کیا میں وعدے کر کےمکر جانے والی ایک کم تر انسان نہیں ہوں؟ وہ بھی اپنے رب سے وعدے کر کے مکرنے والی......'' اور یہ سوچ کر عالیہ اپنے دل میں ایسا درد محسوس کرنے لگی جس کا کوئی اظہار ممکن نہیں۔ دل کے نہاں خانوں میں درد کا دھواں بھرنے لگا۔

''بس آپ میرے لئے دعا کیجئے گا۔زندگی اتنی مہلت دے دے کہ ایک رمضان اورمل جائے۔ میں رمضان کوضائع کرنے والی نہ بنوں۔''

''بیٹا! عید کا چاندنظرآتے ہی روزہ داروں کے لئے جنت پھر نئے سرے سے سجائی جانےلگتی ہے۔سارا سال اُس کو تیار کیا جاتا ہے یکم رمضان کواس کے دروازے مومن روزہ داروں کے لئے کھول دیئے جاتے ہیں۔''

آپا سلیمہ نے عالیہ کے کندھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا'' تم بھی اس رمضان اور جنت کے استقبال کی آج سے تیاری شروع کردو''

'' کیسے تیاری کروں''؟

''جیسے کسی بہت پیارے رشتہ دار کا استقبال ، یا شادی کی تیاری۔کہیں جانے کے لئے سفر کی تیاری۔جیسے فصلِ بہار میں پھول پھل حاصل کرنے سے پہلےفصل کی تیاری۔''

''جی'' عالیہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔عافیہ بھی دلچسپی سے سن رہی تھی'' دیکھو، بیٹا، کسی کا استقبال کرنا ہو، یا کسی شادی کی تیاری کرنا ہوتو جس کا جیسا قریب یا دور کا رشتہ،تعلق ہوتا ہے،جس کی جیسی حیثیت ہوتی ہے وہ ویسی ہی تیاری کرتا ہے۔

تو تمہارا رشتہ،تعلق ہی تیاری کی نوعیت بنائے گا نا!

تم خود سوچو، وہ جنت جوروزہ داروں کے لئے ہرسال نئے سرے سے پورا سال سجائی جاتی ہو۔اس کے استقبال اورحصول کے لئے تیاری اوراس کے لائق خودکو بنانا کتنا اہم ہےاور کتنا وقت چاہیے تیاری کے لئے ......خودکوآج سے اسی جنت کے راستے کا مسافر بنالو۔زادِراہ کی فکر کرلو، روح کو، اپنے اندرکواُجالنے کا احساس غالب کرلو۔''

''جی،انشاءاللہ''

''تیاری کیسے کرنا ہے؟ یہ تم خودسوچو،اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔''

''جی''

عالیہ کوسلیمہ آپا کے پاس بیٹھ کران کی باتیں سن کر ہمیشہ سکون محسوس ہوتا تھا۔آج بھی وہ اندر کے خلاء کوپُر ہوتا محسوس کر رہی تھی۔

چند اورخواتین کی آمد پر دونوں نے جانے کی اجازت

مانگی۔سلیمہ آپا نے عالیہ کو گلے لگاتے ہوئے اس کے کان میں رس انڈیلا۔

''بیٹا عالیہ! تمہارا احساسِ ندامت تمہارے لئے قیمتی سرمایہ ہے۔اس کو زندہ رکھنا۔بس یہی تو مالک کو پسند ہے۔ اسی جذبہ کے حوالے سے درجے بلند ہوتے ہیں۔تم خوش قسمت ہو کہ ایک قیمتی شے تمہیں نصیب ہوگئی ہے۔اس کی حفاظت کرنا۔''

''جی،انشاءاللہ آپ میرے لئے دعا کیجئے گا''

آپا سلیمہ نے جاتے جاتے پھر عالیہ کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں رکھا اور اس کی آنکھوں میں تیرتے پانی میں ایک مشفقانہ نگاہ کا پھول پھینکا۔ساتھ ہی مقدس بوسہ ماتھے پہ ثبت کرنے کے بعد گویا ہوئیں۔

''عالیہ پیاری!محبوب کی نگاہِ التفات حاصل کرنے کا پہلا قرینہ اپنی کمزوریوں ، خطاؤں اوراپنی کم حیثیت کا اعتراف کرنا ہے۔اعتراف قبول ہوجائے تو اصلاح اور کفارے کا طریقہ،خود محبوب عطا کرتا ہے۔''

آپا سلیمہ کی شفقت بھری باتیں،ہاتھوں کا لمس،خلوص و محبت کا گہرا احساس،عالیہ کے اندر ہلچل مچا رہا تھا۔

اسی مدوجزر کا احساس لئے عافیہ آپی کے ساتھ وہ گھر آ گئی۔بس ایک ہی جذبہ اس کے دل کے سمندر میں موجیں مار رہا تھا کہ وہ آج سے اُس وقت کی تیاری میں منہمک ہو جائے گی جس کو نیکیوں کا موسم بہار کہتے ہیں۔

ہر نماز کے بعد وہ سجدے میں جا کر رب سے التجا کرتی کہ

''میرے مالک! موسم بہار کے پھل پھول حاصل کرنے کے لئے مجھے وہ مالن بنا دے جو اپنے باغ کو ہر وقت اپنی نگرانی میں رکھتی ہے اور کوئی موقع ضائع نہیں کرتی۔باغ کی شادابی اور رونق بڑھانے کے لئے۔''

رات کو سونے سے پہلے عافیہ آپی اس کے کمرے میں آئیں تو عالیہ بستر پر لیٹی چھت کو تک رہی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟''

''آپی! میں سوچ رہی تھی ہم نیکیوں کے موسم بہار کی کیا تیاری کریں۔''

عافیہ کو یاد آیا۔عالیہ بڑے بھائی جان کی شادی کے لئے تیاری کرنے کے پروگرام میں بھی ایسے ہی فکر مند ہوگئی تھی۔سال بھر پہلے ایک کاپی پر ہر کام،بات،شوق کو نوٹ کیا اور بالکل اس کے مطابق کر کے دکھایا۔ہر کام کو وہ ایسے ہی ترتیب و تنظیم سے کرنا چاہتی تھی۔

''تمہیں یاد ہے محمود بھائی کی شادی پہ تم نے کیسے منصوبہ بندی کی تھی؟''

''ہاں! یاد ہے'' عالیہ نے بھرپور مسکراہٹ سے آپی کو دیکھا۔

''کپڑوں کے ڈیزائن،رنگ،جوتے،پرس سے لے کر بال،ناخن،چہرے کی رنگت تک......اُف! عافیہ آپی،کیا احمقانہ دن تھے وہ بھی۔''

''ہاں! تم نے شازیہ کو الٹی میٹم دیا تھا کہ اگر ساڑھی پہننا ہے تو دس کلو وزن کم کرو۔''

دونوں نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔

''بے چاری فاقوں مرنے لگی۔دن رات بھاگ بھاگ کراس کا حشر ہوگیا۔'' دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پہ ہاتھ مارااورلوٹ پوٹ ہونے لگیں۔

''عالیہ! ابھی تمہارے بھائی صاحب انکوائری کرنے تشریف لے آئیں گے کہ دونوں بہنیں کس بات پر چھت میں شگاف ڈالے دے رہی ہیں۔مردوں کوبس یہ بدگمانی کیوں ہوتی ہے کہ جہاں دوبہنیں مل بیٹھیں گی وہ اپنے اپنے سسرال والوں کی حماقتیں بیان کر کے لطف اندوز ہورہی ہوں گی۔''

''اچھا! بھائی صاحب یہ سمجھتے ہیں؟'' عالیہ نے ہنستے ہوئے بہن سے پوچھا ''تو اورکیا۔'' عافیہ نے پلنگ سے اٹھتے ہوئے شکایتی لہجہ میں کہا ''یہ توچور کی داڑھی میں تنکا والی بات ہوئی۔''

''اچھا، عالیہ،تم جوبھی منصوبہ بندی کرو مجھےضرور بتانا تم بہت اچھی منصوبہ ساز ہو۔''

''شکریہ میڈم''۔ عالیہ نے خوشدلی سے بہن کا ہاتھ دبایا۔نینداس کی آنکھوں سے روٹھ چکی تھی۔جب تک وہ کسی نتیجہ پر نہ پہنچ جاتی، اُس کی بے چین طبیعت کوقرار نہ آ سکتا تھا۔

''پہلےتو یہ دیکھنا ہے کہ کیا کچھ موجود ہے؟ اورکس کس چیز سے دامن خالی ہے۔ جوکچھ موجود ہےاس کی حفاظت کرنا ہےاس کومزید بہتر بنانا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ جوکچھ نہیں ہےاس کا بندوبست کرنا ہے۔

بالکل اسی طریقہ سے اُس نے بھائی کی شادی کے بارے میں سوچنا شروع کیا تھا۔

اس کے دل میں نیکی کی طرف بڑھنے کااحساس سکینت عطا کررہا تھا۔''کیا کچھ ہے؟'' اس نے خود سے سوال کیا۔ نہ جانے وہ کیا سوچنا چاہ رہی تھی۔اس کے دل میں ایک اچھوتا سا خیال درآیا۔خوشبو کےجھونکے کی طرح۔

یہ جسم، اورجسم کا ہرعضونعمت ہے اورامانت بھی۔ ہرعضوایک خالی ڈبہ ہے۔اس میں دنیا سے کچھ جمع کر کے، اس کوبھر کے مالک کےحضور لے جانا ہے۔یہ ہماری سوچ، فکر اورانتخاب ہے کہ ان خالی ڈبوں میں کنکر، پتھر جمع کررہے ہیں یا ہیرے جواہرات؟

عالیہ، اپنے اس اچھوتے خیال پر حیران بھی ہوئی اور خوش بھی۔ واقعی محبوب خود بتاتا ہے کہ اپنی خطاؤں کا کفارہ کیسے کرنا ہے۔ یہ اتنا بڑا انکشاف تھا اس کے لئے کہ وہ اطمینان کی ایک لہرا پنے اندرمحسوس کرنے لگی۔

اُسے مزید یادآیا کہ ''بے شک، سماعت، بصارت اوردل کے ہرجذبے کا حساب لیا جائے گا۔حساب دینے کی فکرانسان کوبھٹکنےنہیں دیتی۔'' عالیہ نے زیرلب دہرایا۔

اللہ جی! آپ کاشکریہ،آپ نے مجھے یہ بات سمجھائی میں آپ سےاستعانت اوراستقامت کی التجا کرتی ہوں۔

مجھے اپنے وجود کے ہرعضوکو انمول خزانوں سے بھر دینے کی سہولت عطا فرما، وہ ایمانی جذبہ عطا فرما جس کے حوالے سے میں سال بھراپنی صبح وشام میں نیکیوں کے پھول اُگا سکوں اور پھرموسم بہار میں مہکتا گلستان میرامنتظرہو''

اپنے رب سے مناجات کرتے کرتے اس کی آنکھ لگ

گئی۔

فجر کی نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے اس نے سوچا کہ اللہ کی باتوں کو سمجھنے کے لئے ، خاص طور پر محنت کی ضرورت ہے۔اس کے لئے بھی بندوبست کرنا پہلا ضروری کام ہے۔

''علم کا راستہ جنت کا راستہ ہے'' کہیں پڑھی یا سنی ہوئی بات نے گویا اس کو تھپکی دی۔

انسان کا ذہن ، سوچ ،فکر اور ادراک جس راستے پر چل پڑے ، ویسے ہی مناظر نظر آتے ہیں ۔انسان جس راستے پر جس منزل کا راہی ہوگا اُسی راستے ،اُسی سمت کے اسٹیشن نظر آئیں گے ۔سب مسافر بھی ایک ہی جیسے اسٹیشن اور مناظر دیکھیں گے ۔ایک ہی منزل کے راہی ،فکر ونظر کے بھی ہم راہی ہوتے ہیں۔

ناشتہ کے دوران عافیہ نے توس پر مکھن لگاتے ہوئے مستجسّانہ لہجے میں پوچھا۔

''ہاں بھئی! کہاں تک پہنچیں؟''

عالیہ نے طمانیت کے ساتھ کہا۔

''آپی! نیکی ،اخلاق کی جو بھی رمق ہمارے اندر موجود ہے اس کو بڑھانے اور محفوظ رکھنے کی کوشش کریں ۔جو ہمارے اخلاق وکرداراور علم وعمل میں کمی ہے اس کو پورا کریں ۔اضافہ کریں۔''

عافیہ نے تعریفی نگاہوں سے بہن کو دیکھا۔

''عالیہ! کتنے پتے کی بات کی ہے تم نے ۔تیاری کا مختصر مگر جامع منصوبہ'' ساتھ ہی عالیہ نے جسم اعضاء کو خالی ڈبوں سے تشبیہہ دے کران میں ہیرے جواہرات بھرنے کی بات کی تو عافیہ نے بہن کو تھپکی دی ۔''واہ بھئی! تم تو ایک رات میں ہی دانش ور بن گئی ہو'' اور کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

''عالیہ! مجھے بھی تمہاری اس بات سے یاد آرہا ہے جو میں نے کہیں پڑھا تھا یا سنا تھا۔''

''اُس دن انسان کے ہاتھ ، پاؤں ،حتیٰ کہ جسم کی کھال بھی اس کے اچھے بُرے اعمال کی گواہ ہوگی ۔''

''ہاں! آپی ہمیں سیدھا رکھنے ، جنت میں جانے کی تیاری کے لئے اتنی بات کافی نہیں؟ ہم اپنے جسم کو اپنا سمجھتے ہیں حالانکہ یہ امانت ہیں اور یہ ہمارے خلاف یا حق میں گواہی دیں گے۔''

''عالیہ! ہم دونوں ایک دوسرے کو اس کا احساس دلاتے رہیں گے، ہم اُس جنت میں جانے کی تیاری میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔''

''انشاءاللہ'' دونوں بہنوں نے ہاتھ ملا کر وعدہ کیا۔

''اللہ تعالیٰ ہمیں استقامت عطا کرے ہماری مدد فرمائے ۔ ایمان وعملِ صالح کے جواہر ریزے ان خالی ڈبوں میں جمع کرنے میں سہولت عطا فرمائے۔''

''آمین۔'' دونوں کی آواز میں جذبے کی سچائی تھی اور چہرے عزم کے نور سے روشن تھے۔

کسی شام گھر بھی رہا کرو!

ہمارے ہاں شخصی آزادی کا کوئی تصور نہیں ۔ بچے بڑے ، مردو زن ، پیرو جواں کوئی تفتیش سے بچ نہیں سکتا۔ پوچھ گچھ اور تفتیش کے عناصر ہمارے لہو میں یوں شامل ہیں جیسے لیموں میں کھٹاس شامل ہوتی ہے۔ مجال ہے جو کوئی کسی کو آزادانہ زندگی گزارنے دے ۔ اس وقت کہاں جارہی ہو؟ اس وقت کہاں سے آرہی ہو؟ اس وقت تک کیوں جاگ رہی ہو؟ ابتک کیوں سو رہی ہو؟ کھانا کیوں نہیں کھارہی ہو؟ اس قدر کام کیوں کررہی ہو؟ کیا بات ہے آجکل بہت آرام کررہی ہو؟ اتنی بجھی بجھی کیوں ہو؟ کیا بات ہے بڑی کھلی کھلی نظر آرہی ہو؟

غرض تفتیش کی ایک لمبی لسٹ ہے جو صبح سے شام تک آپ کو کٹہرے میں رکھتی ہے اور آپ کو لگتا ہے کہ آپ کسی ڈکیتی کے جرم میں پولیس کو مطلوب ہیں۔ بزرگ کہتے ہیں کہ یہ خوش نصیبی کی علامت ہے کہ آپ سے پوچھنے والا ، آپ سے سوالات کرنے والا کوئی ابھی دنیا میں موجود ہے ، لیکن بعض اوقات یہ تفتیش بلائے جاں بن جاتی ہے لیکن کیا کیا جائے (آدمی جوابدہ تو ہے ہی !) اس تفتیشی مرحلے کے بعد تنبیہی مرحلہ شروع ہو جاتا ہے جلدی سو یا کرو، جلدی اٹھا کرو، بتا کر جایا کرو اور کہاں جا رہی ہو، کھانا وقت پر کھایا کرو، ہر وقت منہ نہ بسورے رہو، بال بنالیا کرو، منہ دھولیا کرو، کپڑے بدل لو، لائٹ آف کر کے نکلو......وغیرہ وغیرہ ...... یوں یہ زندگی بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے تک تفتیشی اور تنبیہی مرحلوں سے مسلسل اور پیہم گزرتی ہی رہتی ہے ۔ بشیر بدر نے بھی اس مصرعے میں کسی کو تنبیہہ کی ہے کہ ''کسی شام گھر بھی رہا کرو۔''

یہ بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی کہ ان کی مخاطب منکوحہ ہیں یا ممنوعہ......لیکن اتنا ضرور ہے کہ مخاطب کوئی زندہ ہستی ہے ۔ کسی زندہ ہستی سے براہِ راست مخاطب ہونا بھی قصۂ پارینہ بن چکا ہے ، اب تو پہلو میں بیٹھی ہستی سے بھی لوگ sms کے ذریعے بات کرتے ہیں جب سے انسان مشینی دور میں داخل ہوا ہے انہی کا محتاج ہوکررہ گیا ہے۔ روشنی کے لئے جنریٹر کا محتاج ، پانی کے لئے موٹر کا محتاج ، سواری کے لئے گاڑی کا محتاج ، ٹھنڈے پانی کے لئے فرج کا محتاج ۔ انسان اب رشتوں سے زیادہ مشینوں کو اہمیت دینے لگا ہے۔ دوستوں سے زیادہ مشینوں سے محبت کرنے لگا ہے۔ قسمت سے زیادہ مشینوں پر یقین رکھنے لگا ہے۔ انسان کی زندگی خود مشین بن کر رہ گئی ہے اور مشین کو چلانے کے لئے بجلی کی ضرورت ہوتی ہے ۔ انسان بجلی کا غدم ، بجلی کا اسیر اور بجلی کا بندہ بن چکا ہے اور جب کوئی چیز اتنی شدو مد سے آپ کی

زندگی میں داخل اور شامل ہو جاتی ہے تو آپ کو کہیں کا نہیں چھوڑتی......آپ کو اپنے دامن سے یوں جوڑے رکھتی ہے کہ آپ لاکھ جتن کے باوجود اس سے دامن نہیں چھڑا سکتے (نہ نظر بچا سکتے ہیں!) وہ آپ کو اپنے پیچھے لگائے رکھتی ہے اور آپ پروانے کی مانند اس کے گرد چکر کاٹتے رہتے ہیں اس کا دم بھرتے رہتے ہیں اس کی بنتی کرتے رہتے ہیں۔ بے قرار ہو کر کہہ اٹھتے ہیں کہ ''اک بار چلے آؤ...... پھر آ کے چلے جانا!''

یہ تو آپ تسلیم کرتے ہی ہوں گے کہ ہر حادثہ انسانی حواس پر اثر انداز ہوتا ہے جن میں قوتِ مدافعت کم ہوتی ہے وہ تو آناً فاناً ڈھے جاتے ہیں ہاں جو قوی اعصاب والے ہوتے ہیں وہ شاید آسانی سے جھیل جاتے ہوں۔ ہم تو جب سے ''بجلی گزیدہ'' ہوئے ہیں ہجر و فراق اور انتظار کی کیفیت والے اشعار کا تعلق ''لوڈ شیڈنگ'' سے جوڑنے لگے ہیں۔ بشیر بدر کا یہ مصرع (کسی شام گھر بھی رہا کرو) اگر آج آپ کی زبان پر ہے تو سب جان لیں گے کہ آپ کا مخاطب کوئی اور نہیں ''جادوگر بجلی'' ہے (جو ہمیشہ غریبوں پر گرتی ہے) رشتہ نازک ہو یا اٹوٹ! یہ روز روز کا آنا جانا کسی کو نہیں بھاتا۔ بالآخر حرف شکایت لبوں پر آ ہی جاتا ہے اور انسان کہہ ہی دیتا ہے کہ ''کسی شام گھر بھی رہا کرو۔'' مگر یہ بات تو تسلیم شدہ ہے کہ

KESC پر کلامِ نرم و نازک بے اثر (یعنی کلامِ نرم و نازک کی بے اثری محض مردِ ناداں پر موقوف نہیں، یہ ہر ڈھیٹ اور ضدی کے لئے بے اثر ہوتا ہے) اب آپ ذرا چند ایک مشہورِ زمانہ اشعار یاد کیجئے اور سوچیے کہ ان اشعار میں شعرا کا مخاطب ''برقی رو'' کے علاوہ بھی کوئی ہو سکتا ہے؟ مثلاً

ہر شخص تیرا نام لے، ہر شخص دیوانہ تیرا،

رنجش ہی سہی ، دل ہی کھانے کیلئے آ
آ پھر سے مجھے چھوڑ کے جانے کیلئے آ

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

زیست مشکل ہے اسے اور بھی مشکل نہ بنا

اور کسی کا یہ کہنا بلکہ اعتراف کرنا کہ

زندگی میں دو ہی گھڑیاں مجھ پہ بیتی ہیں کٹھن
اک ترے آنے سے پہلے، ایک ترے جانے کے بعد

تو سچ بھی یہی ہے۔ یہ عرصہ یعنی آنے سے پہلے اور جانے کے بعد کا عرصہ اتنا طویل اور تکلیف دہ ہو جاتا ہے کہ عوام بلبلا اٹھتے ہیں، گھروں سے نکل پڑتے ہیں، روڈ بلاک کر دیتے ہیں، اٹھا پٹخ کرتے ہیں، kesc کے خلاف نعرے لگاتے ہیں، ٹائر جلاتے ہیں، دہائی دیتے ہیں، فریاد کرتے ہیں، اضافی بل ادا کرتے ہیں، ہر دوسرے دن بجلی کے نرخوں میں اضافہ برداشت کرتے ہیں مگر! وہ اپنی خُو نہیں چھوڑتے، اندھیروں کو ہمارا مقدر بنا کر چھوڑ دیا ہے...... جب جی میں آئے عید کے چاند کی طرح نظر آ گئی تو آ گئی ورنہ چراغِ رخ زیبا لے کر ڈھونڈ یئے یا رخِ میرا لیکر......نہیں آتی...... جانے کس کی طرز پذیرائی پر چلی گئی ہے؟ مراسم رکھنے پر آمادہ ہی دکھائی نہیں دیتی۔ ہر دفعہ ہاتھ جھٹک کے چلی جاتی ہے، اس کے جاتے ہی پنکھوں کی پنکھڑیاں کمہلا

جاتی ہیں، کمپیوٹر بے سدھ سو جاتا ہے، فرج کی نبض ڈوب جاتی ہے، پانی کی موٹر روٹھ جاتی ہے، بچوں کا ہوم ورک چھوٹ جاتا ہے، یونیفارم کی استری رہ جاتی ہے، گلشن تو کیا جوہر کا کاروبار بھی بند ہو جاتا ہے، ایک طرف مہنگائی کا طوفان دوسری جانب بجلی کا بحران! دونوں کے درمیان شہریوں کی حالت تو دیکھئے۔ مگر وفاقی اور صوبائی حکومت کی نظر ادھر اٹھتی ہی کہاں ہے؟ آپ مظاہرہ کریں، سر پھوڑیں، آہ و بکا کریں، ہاتھ جوڑیں، پاؤں پکڑیں، وہ تو پانچ سال مکمل کریں گے اور اس دوران کچھ نہیں دیکھیں گے۔

☆ شمیم فاطمہ صاحبہ متوجہ ہوں۔ آپ کا فون نمبر درکار ہے تاکہ براہ راست رابطہ ہو سکے (مدیرہ)

☆☆☆

میری لائبریری سے

نام کتاب: نعیم صدیقی، علمی وادبی خدمات
مصنف: ڈاکٹر عبداللہ شاہ ہاشمی
پبلشر: ادبیات اردو بازار لاہور۔فون 042-37232788

اللہ نے ہر زمانے میں کسی نہ کسی ایسی ہستی کو دنیا میں بھیجنے کا ذمہ لے رکھا ہے کہجو زندگی کے کئی شعبوں کا بیک وقت رخ موڑنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔نمودونمائش اورریا کاری سے یکسر بے نیاز، جو دنیا کی شہرت چاہیں تو تاریخ اپنا سران کے سامنے جھکا دے۔لیکن اخلاص کی دولت سے مالا مال یہ شخصیات دنیا اور دنیا والوں سے بے نیاز ہوتی ہیں ۔دنیا ان کے فن اور ہنر کی قدر و قیمت نہیں جانتی، ان کے آگے پیچھے نہیں پھرتی......اوراگر دنیاان کی طرف آئے تو یہ صاف دامن بچا کر نکل جائیں ۔ان کا ایک ایک حرف، دعوت فکر وعمل دیتا ہے ایک ایک سانس اپنے مشن کی تکمیل میں گذرتا ہے ۔ان کے فن کا صحیح قدر دان تو بس اللہ رب العزت ہی ہوسکتا ہے ۔میرے سامنے آج ایسی ہی ایک محبوب ہستی کی کتاب ہے جس کی زندگی ہمہ گیر، اور شخصیت دلآویز تھی ۔ان کے کلام بلکہ کام کا جائزہ لیا جائے تو بڑی بڑی قد آور ادبی شخصیات ''بونے'' محسوس ہوں ۔جس کی شاعری اردو زبان کے کسی بھی قادر الکلام شاعر کے مقابلہ میں رکھی جاسکتی ہے ۔ایسی شخصیت جسے ادب کے جس پہلو سے بھی جانچا پرکھا جائے ہر لحاظ سے بہترین ثابت ہو۔ معروف نقاد انور سدید لکھتے ہیں ۔

''میں نے علمی وادبی اور دینی شخصیات پر پی ایچ ڈی سطح کے متعدد مقالے دیکھے ہیں ان سب میں ڈاکٹر عبداللہ شاہ ہاشمی کا یہ مقالہ ''نعیم صدیقی، علمی وادبی خدمات'' بیان، تحقیق، تنقید، استخراج مطالب اور پیشکش کے لحاظ سے ایک نظیر کا درجہ رکھتا ہے، اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے ۔''

قارئین یہ مقالہ دراصل نعیم صدیقی صاحب کے عظیم الشان بکھرے ہوئے ادبی سرمائے کی یکجائی ہے جو تحریک اسلامی اور اردو ادب کے شائقین کے لئے گرانقدر سرمایہ ہے۔

پیارے قارئین ! پی ایچ ڈی مقالے اور ادبی سرمائے کے نام سے گھبرائیں مت ......اصل میں یہ ایک مضمون ہے جو انتہائی دلچسپ، سادہ انداز میں نعیم صدیقی کی شخصیت کا احاطہ کرنے کے لئے لکھا گیا ہے ۔کتاب کو پڑھ کر ان کی قد آور شخصیت کا اندازہ ہی نہیں ہوتا بلکہ اس بے حس اور ناقدر شناس معاشرے پر افسوس ہوتا ہے جس نے قیمت اسی کی لگائی جو شہرت کا خواہاں رہا۔ایسی قابل قدر شخصیات کے بارے میں جاننا بھی کار ثواب ہے۔

آیئے اب کتاب کے آغاز میں 5 جون 1916ء کو خان پور (چکوال) میں پیدا ہونے والے بچے کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں پہلے ان کا خاندانی تعارف:

''اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ یہ خاندان عربی النسل ہے نعیم صدیقی کا شجرہ نسب پچاس نسلیں اوپر حضرت ابو بکر صدیقؓ سے جا ملتا ہے اسی لئے یہ صدیقی کہلاتے ہیں 1968ء میں سفر حجاز کے موقع پر نعیم صدیقی نے ایک شعر میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

؎ حجاز سے مرے اسلاف لے گئے تھے جسے

حجاز میں وہ حجازی پیام لایا ہوں

خاندان کی وجہ آمد: ابتدائی بزرگ دین حق کی تبلیغ کی خاطر مدینہ منورہ یمن بغداد اور بیت المقدس سے ہجرت کر کے پہلے آگرہ میں آباد ہوئے پھر ان کی اولاد چھٹی صدی ہجری میں جہلم اور خاص کر خان پور میں آ کر آباد ہو گئی۔

نعیم صدیقی کا خاندان مشرقی اقدار اور دین داری کے حوالے سے باوقار خاندان تھا اور اس کا اخلاقی اور تہذیبی مرتبہ اردگرد کے ماحول سے بلند تھا۔

نعیم صدیقی کی پیدائش سے قبل ان کے والد قاضی سراج الدین کے ہاں چھ اولادیں ہوئیں مگر کوئی بھی زندہ نہ رہی وہ سب بچپن میں ہی فوت ہو گئیں 1923ء میں جب نعیم صدیقی کی عمر چھ سات برس تھی تو برصغیر کے ان علاقوں میں طاعون کی وبا پھیلی جس سے گھروں کے گھر کا صفایا ہو گیا اور بستیاں اجڑ گئیں اس وبا کے اثرات قاضی سراج الدین کے خاندان تک پہنچے اور نعیم صدیقی کی والدہ بھی اسی وبا سے فوت ہو گئیں۔ چھ سات میتیں ایک ہی گھر سے اٹھیں۔ نعیم صدیقی کے چچا کے گھر کے تینوں افراد لقمۂ اجل بن گئے۔

سکول کے زمانے میں انہوں نے شعر کہنا شروع کر دیئے تھے اور نعیم تخلص اختیار کیا۔ ان کا اصل نام فضل الرحمان تھا یوں فضل الرحمان سے نعیم صدیقی ہو گئے۔

1929ء میں پرائمری کا امتحان پاس کیا اور 14 ستمبر 1933ء کو باقاعدہ تعلیم کو خیر باد کہہ دیا۔ لکھتے ہیں

''بدقسمتی سے میں تعلیم حاصل نہیں کر سکا اس میں گھریلو حالات مانع ہوئے ایک استاد کی باغیانہ گفتگو نے انگریزی ملازمت سے متنفر کر دیا۔ بعدازاں والد سے اجازت لے کر راولپنڈی آ گئے۔ کاروبار تو شروع نہ ہو سکا البتہ ٹیوشن مل گئی۔ پہلے 10 روپے ماہانہ پھر یہ زیادہ ہو گئی۔

قارئین! سعید روحیں وہ ہیں جو یوم الست میں اکٹھی ہوئیں اور قالو بلیٰ کا اقرار کرنے کے بعد دنیا میں بھی اپنے مشن کی تکمیل میں اکٹھی ہیں۔ نعیم صاحب سید ابو الاعلی مودودی سے کیسے اور کب ملے اور یہ رشتہ کیسے مضبوط ہوا، کتاب میں اس کی تفصیل موجود ہے ہاں جب سب کچھ دیکھ پرکھ کے جماعتی صحافت سے وابستہ ہوئے تو یوں لکھتے ہیں:

''میرا اصل دور تحریر 1941ء کے اول آخر سے شروع ہوتا ہے جب میں ملک نصر اللہ خاں عزیز کے اخبار ''مسلمان'' سے باقاعدہ منسلک ہوا اور ذمہ داری سر پر آن پڑی۔ پھر تو بہت لکھا اور سب کچھ لکھا جیسے بند چشمے کے سوتے کھل گئے۔''

اپنے سفر زندگی کی تکمیل کی داستان

''صحت کا اب یہ حال ہے کہ اونٹ پر ایک تنکا بھی

زائد رکھا جائے تو بیٹھ جاتا ہے'' مرض وعلالت نے سلطنت و جود کا جتنا حصہ فتح کرلیا ہے اس کے بقدر مقدار کام اور نظام اوقات کار میں کمی آ گئی ہے''

آنکھ کے آپریشن، بلڈ پریشر کی کمی، اعصابی کمزوری، پراسٹیٹ کے آپریشن کے بعد کولہے کی ہڈی میں ہونے والے فریکچر نے 25 ستمبر 2002ء کو ان کی زندگی کا چراغ گل کر دیا اپنی موت سے کچھ عرصہ پہلے یہ شعر کہا

تمہاری محفل سے اٹھ رہا ہوں، مثالِ دودِ چراغ محفل
خیال وشعر وادب کی شمعیں یہاں فروزاں نہیں کروں گا

معروف مصنفہ سلمیٰ یاسمین نجمی ان کی وفات پر لکھتی ہیں
:

''45 ستمبر کا سورج طلوع ہوا اور اسلامی ادب کا سورج غروب ہو گیا۔

نعیم صدیقی کی ادبی اٹھان میں ایلیمنٹری سکول کے ہیڈ ماسٹر اور دیگر اساتذہ کی تربیت کا بڑا کردار ہے۔ سکول کی تعلیم سے دور جانے کے باوجود وہ تعلیم سے دور نہیں ہوئے بلکہ تعلیم کے حصول کا انداز کچھ اس طرح اپناتے ہیں۔

''میں نے خود تعلیمی کا تجزیہ کرتے ہوئے 1932ء تا 1940ء اس طرح لگ کر مطالعہ کیا جیسے کوئی امتحان پاس کرنے چلا ہوں یا کسی مقابلے میں شریک ہونے والا ہوں۔ چنانچہ شعر و ادب تاریخ، اسلامیات، تھوڑی بہت فلاسفی، سائنسی مباحث، الحادی نظریات، فلسفہ ارتقا، کا مبادیاتی مطالعہ، انگریزی زبان کی اخباری اور کتابی تحریریں، فارسی کی بعض کتب کا مطالعہ، الہیات، اخلاق اور تعلیم کے موضوع پر پڑھنا شروع کر دیا۔''

ان دنوں مری میں مقیم تھے اور صرف دو گھنٹے روزگار کے لئے باقی تمام مطالعہ کے لئے وقف تھا۔

فلسفہ، ذوق مطالعہ، آزاد خیالی، لاشعور میں بسی ناآسودہ خواہشوں نے ایک دور میں بغاوت کا روپ دھار لیا اور الحاد کے راستہ پر چل نکلے بقول ان کے:

''مذہب پر ٹیڑھی میڑھی بحثیں کیں، رومان کی وادیوں میں گھوما، موسیقی میں دلچسپی لی، تصاویر کے البم جمع کئے قدم ادھر اُٹھتے چلے گئے پھر قبل اس کے کہ اخلاقی غلاظت کے گڑھے میں جا گرتا، شعوری اسلام کی صبح طلوع ہو گئی۔''

''اب میرا قلم ایک امانت ہے، خدا کی امانت ہے اگر کسی طاقت کے ہاتھ بیچنے کا حق نہیں رکھتا تو میں اس کو اپنے وقت کی اسلام دشمن ادبی تحاریک کا خادم بھی نہیں بنا سکتا۔ میں مسلمان ہوں تو میرا قلم بھی مسلمان ہے۔''

قارئین! سید ابوالاعلیٰ مودودی سے جن تین اشخاص نے سب سے زیادہ فیض حاصل کیا ان میں نعیم صدیقی، ملک غلام علی اور میاں طفیل محمد شامل ہیں۔ نعیم صدیقی کو ان میں اس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے کہ اردو زبان اور تحریر کا فن انہی نے سیکھا اور اسی سے ان میں فکر و انقلاب کا ذریعہ بنانے کی سوچ پیدا ہوئی۔ دراصل یہ محض شخصی وابستگی نہ تھی بلکہ ایک جامع فکر اور نظم حیات کی سوچ راسخ ہوئی، اس لئے عمر بھر ہر عیش، آرام اور لذت کو چھوڑ کر دکھ اٹھائے مگر نظریہ حیات سے رشتہ نہ صرف قائم رکھا بلکہ مستحکم کیا۔

؎ تجھ کو چاہا تو پھر اک عمر تجھی کو چاہا
فاصلہ طے نہ ہوا تیری شناسائی کا

نعیم صدیقی کرشماتی ذہن کے مالک تھے کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ ایک ادیب، شاعر ایک زبردست نقاش، مصور، بھی ہو سکتا ہے، ان کے بچپن ہی سے ان کے اندر ایک آرٹسٹ چھپا ہوا تھا۔ جہاں کالے کپڑے پر دھاگے موتیوں سے بنے بیل بوٹوں سے مٹی کے کھلونے، کپڑوں پر پینٹنگ تک ان کی مہارت کا منہ بولتا ثبوت تھی، وہیں وہ مخالف کو اپنے فن خطابت اور مدلل انداز سے چاروں شانے چت کر سکتے تھے۔

درویشی اور بے نیازی اتنی تھی کہ ایوبی دور میں بڑی شاندار پیشکش ہوئیں مگر ٹھکرا دیں اپنی سادہ طرز زندگی میں دوستوں کا ممنون احسان ہونا بھی پسند نہ کرتے۔ صوبہ سرحد سے ایک دوست نے شہد کی پیشکش کی تو اسے اس طرح منع کیا۔

''خدا کے لئے ہرگز ہرگز شہد کی ترسیل کی تکلیف نہ کریں محبت کی کمزور نازک سی بلبل پر شہد کی بوتل نہ لا دیں۔ میری توجہ آپ سے ہٹ کر شہد کی طرف چلی جائے گی۔''

اپنی روزمرہ مصروفیات کا آغاز کس طرح کرتے ...... دیکھئے

''میرے ہاں لکھنے کا بلکہ ذہنی حرکت کے آغاز کا وقت صبح کا وقت ہے اور فن کی یہ صبح میرے ہاں طلوع سحر سے نہیں ہوتی بلکہ ناشتہ سے ہوتی ہے جس کا روز ہی جز وا چھی قسم کی چائے ہوتی ہے اور بس خیال کا پہیہ گھومنے لگتا ہے۔''

قارئین کتاب کے دس باب ہیں ان کی ذاتی خوبیوں کی بہت سی جھلکیاں ہیں جو میزبان قلم کی بجائے ''بچشم خود'' پڑھی جائیں تو لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ کتاب کا دوسرا باب نعیم صدیقی بحیثیت شاعر کا ہے جس میں وہ اپنے نظریہ ادب کی 1952ء میں یوں تشریح کرتے ہیں۔

''میرا ادب میرے اصولوں کا نام ہے میرا ادب میرے فلسفے کا نام ہے، ادب میری پسندیدہ قدروں کا نام ہے میرا ادب میری ذہنیت و سیرت کا اور میرے جذبات اور امنگوں کا نام ہے۔''

شاعری کو وہ جزو پیغمبری سمجھتے تھے اور ایک اچھے موثر دل نشین شعر کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''شعر میں جمالیت کے ساتھ پیغمبرانہ روح بھی ہونی چاہیے۔ شعر اگر سونے والوں کو جگا سکتا ہے اور جاگتوں کو سلا سکتا ہے اگر بزدلوں کو آمادہ جنگ کر سکتا ہے اور لڑتے ہوئے بہادروں کا ہاتھ روک سکتا ہے، شعر اگر رشتے کاٹ اور جوڑ سکتا ہے، اگر اعلیٰ مقاصد کے ولولے جگا سکتا ہے، اگر نگاہوں کے زاویے اور سوچنے کے پیمانے بدل سکتا ہے تو شعر میں پیغام مضمر ہوتا ہے اور ہونا چاہیے۔''

قارئین جس شاعر کی شاعری کے بارے میں یہ پیغمبری سوچ ہے اس کی شاعری کیسی ہوگی ...... آیئے ابتدائی دور کی جھلک دیکھیں:

؎ وہ قوم اثر لے نہ سکی خون و رجز سے
جس قوم کو مرغوب ہوا نغمہ و بادہ
شوخی بھی، تغافل بھی توجہ بھی حیا بھی

اک راز بنی جاتی ہے ہر دخترِ سادہ

ایک اچھا شاعر شعر کہے اور نعت موزوں نہ ہو......!

نعیم صدیقی زبردست نعت گو تھے۔

''نور کی ندیاں رواں'' ان کا نعتیہ مجموعہ کلام ہے۔ پاکستان میں نعت رسولؐ کو صنف سخن کے طور پر ادب میں متعارف کرانے میں ان کا نمایاں نام ہے۔ یہ نعتیہ مجموعہ بھارت سے بھی شائع ہو چکا ہے۔

فاضل مصنف نے صرف نعیم صدیقی کی نعت گوئی پر ہی اپنی تحقیق پیش نہیں کی بلکہ اردو ادب میں نعت گوئی کی ابتداء وارتقاء کے تمام مراحل تفصیل سے بیان کئے ہیں جو اردو ادب کے طلبہ وطالبات اور شائقین کے لئے بہت بڑا خزانہ ہیں۔ نعیم صدیقی اپنی نعت گوئی کے بارے میں یوں معلومات فراہم کرتے ہیں۔

''میرے سامنے تین تقاضے بیک وقت رہتے ہیں۔

ا۔حضورؐ کی دعوت انقلاب کو ابھارنا۔

۲۔انقلاب کی روح کارفرما کرنے کے لئے نعت کے پیرایوں میں نئے تجربات

۳۔معنی ولسانی حسن کی لطافتوں کا تحفظ۔''

آیئے تقدس ومحبت میں ڈوبی نعت پڑھتے ہیں

۔

ہے مضطرب سی تمنا کہ ایک نعت کہوں

میں اپنے زخموں کے گلشن سے تازہ پھول چنوں

پھر ان پہ شبنمِ اشکِ سحر گہی چھڑکوں

پھر ان کی لڑیاں پرو کے تمہاری نظر کروں

میں ایک نعت کہوں سوچتا ہوں کیسے کہوں؟

قارئین اس نعت کا اختتامی شعر ہے

حضورؐ ایک ہی مصرع جو ہو سکا موزوں

میں ایک نعت کہوں سوچتا ہوں کیسے کہوں

قارئین! نعت میں ایک نیا اسلوب دیکھئے:

اے میرے نبیِ صدق وصفا!

بن باپ کے عاجز بچے جب افلاس کے گھر میں پلتے ہیں

اوران کے افسردہ چہرے جب پیٹ کی آگ میں جلتے ہیں

کچھ جھوٹی امیدوں سے ان کو جب بیوہ ماں بہلاتی ہے

ایسے میں تڑپ اٹھتا ہے یہ دل ایسے میں تری یاد آتی ہے

نعیم صدیقی کے ہاں فکر وفن یکجا ہیں۔ان کے فن میں خون جگر کو متحرک کرنے والا نظریۂ حیات ہے کتاب میں اردو ادب میں نظم کی تاریخ اور حیثیت کا تعین کرتے ہوئے بات نعیم صدیقی کی نظم نگاری تک پہنچتی ہے۔ چونکہ وہ ایک نظریاتی شاعر تھے اس لئے اپنی نظم میں جبر واستبدار کے خلاف عزائم کا اظہار بھی ہے۔ شاعر اور دار ورسن سے سامنا نہ ہو! گرفتاری کے وقت کا شعر کیا زبردست عکاس ہے

سبُو اُلٹ دیئے گئے دیئے بجھا دیئے گئے

جو لوگ روحِ بزم تھے، وہی اٹھا دیئے گئے

اور جیل میں سختیوں کا اظہار:

؎ سلوک جیسا بھی چاہو روا رکھو مجھ سے
رہِ یقیں سے صداقت پھسل نہیں سکتی
میں قیدِ یوسف کنعاں کی کھا رہا ہوں قسم
یہ قید میرے عقیدے بدل نہیں سکتی
دریا کے موتیوں کا بگاڑے گی موج کیا
کتنی بھی تند حرکت طوفاں ہوا کرے

نعیم صدیقی کی نظم نئے اسلوب اور تجربے کی عکاس ہی نہیں بلکہ ان کے تاریخی شعور، آگہی اور اچھوتے پن کی عمدہ مثال ہے۔ یہ وہ نظم ہے جو بچپن سے میرے کانوں میں رس گھول رہی ہے، آیئے داد دیں:

ہم لوگ اقراری مجرم ہیں
اور ہے یہ مقدس جرم جسے خود بینوں نے ایجاد کیا
انسانوں کو انسانوں کے ہر بندھن سے آزاد کیا
اشرار انہیں ٹھکراتے تھے
لیکن وہ دار کے اوپر بھی الہام کے نغمے گاتے تھے
جو درسِ خودی وہ دے کے گئے اس درس کو ہم نے یاد کیا
ہم لوگ اقراری مجرم ہیں!

سید مودودیؒ کے انتقال کی خبر سن کر غم کس طرح بہہ نکلا

وہ شخص اب اک سحر کی صورت!
جہاں میں پھیلا ہوا ملے گا
وہ تیز دھارا ہے روشنی کا
کہیں نہیں ہے مقام اس کا
وہ شخص اب یاں نہیں ملے گا

ایک اور نظم جو ہمیشہ یاد رہے گی:

گو چاروں سمت اندھیرا ہے
سورج کی آنکھیں اندھی ہیں، تاروں نے چہرے ڈھانپ لئے
گھبراؤ نہیں اے اہلِ یقیں!
وہ شاہ بلوطِ انسانی، جو ظاہر میں کل ٹوٹ گرا
وہ سورج بن کر ابھرے گا
مانو وہ کل کا سویرا ہے!!

اپنے قائد کی یاد میں اس سے موثر نظم مجھے کبھی پڑھنے کو نہیں ملی نعیم صدیقی کے ہفت روزہ ''جہانِ نو'' کو بند کیا گیا تو بے ساختہ کہی گئی نظم

میرے افکار سے، میری گفتار سے، میرے اشعار سے
تاج خطرے میں ہے، راج خطرے میں ہے
میری آواز میں ہے بغاوت کی بُو
پنجرہ و دانہ و دام خطرے میں ہے
اک قیامت ہوا نعرۂ لا الہ
لذتِ عشقِ اصنام خطرے میں ہے
تاج خطرے میں ہے، راج خطرے میں ہے

وطنیت کا ہر شاعر الگ نظریہ رکھتا ہے، وطنیت اور حب الوطنی میں واضح فرق ہے۔ نعیم صدیقی اس جذبے کے بارے میں کیا کہتے ہیں

؎ میرا وطن لاہور بھی ہے اور بخد بھی ہے، تہران بھی ہے
غزنی، استنبول بھی ہے اور مصر بھی ہے سوڈان بھی ہے

غزل اردو کی مقبول ترین صنف ہے۔ جناب عبداللہ

شاہ ہاشمی صاحب نے نعیم صدیقی کی غزل گوئی میں اردوادب میں غزل کی تاریخ اور تجزیہ پیش کیا۔

نئے خیالوں کے چمن کے تنکے نئے نشیمن سجارہاہوں
پرانی تعمیر ڈھے رہی ہے نئی بنائیں اٹھا رہا ہوں
خمیر الہام سے اٹھایا پھر اس کو ایماں کی چاشنی دی
خیال میں ہے کوئی ہیولا، وجود میں جس کو لا رہا ہوں

اور

؎ یہ فکر ہماری ریت نہیں کیا کھویا ہے کیا پائیں گے
یہ عشق ہے کاروبار نہیں، کیا سود وزیاں کی بات کریں

اور یہ خوب صورت شعر بھی انہی کا ہے

؎ کوئی ذکرِ حسنِ خوباں ، کوئی عشق کا
فسانہ
کسی طرح رات کاٹیں، کوئی دل کشا بہانہ

اپنی شاعری کے بارے میں خود کیا رائے رکھتے ہیں:

؎ لے تجھے ڈالتا ہوں میں، وقت کے ریگزار میں
موج ہوا کے ساتھ اڑ، چند برس غبار میں
جیسے کوئی ستم زدہ، گھومے تلاشِ یار میں
بڑھ کے گلے لگائے گا تجھ کو کوئی دلِ حزیں
اے میرے شعر دل نشیں!

نظم ہو یا غزل محترم مصنف نے پورے باب میں مختلف نامور شعرائے کرام کا رنگ نعیم صاحب کی شاعری میں تلاشا ہے اور بطور ثبوت اشعار بھی پیش کئے ہیں۔

496 صفحات کی اس کتاب میں نعیم صدیقی کی شخصیت کا احاطہ چھے ابواب میں کرنے کی کوشش کی گئی ہے بلا شبہ یہ کوشش مستحسن ہے۔ تیسرا باب ''نعیم صدیقی کی ادبی نثر'' ہے جس میں ان کی افسانہ نگاری اقبال شناسی، انشائیہ نگاری، ڈرامہ نویسی بطور سفر نامہ نگار، صحافی ، مزاح نگار، مکتوب نگار اور متفرقات کے عنوان سے ان کی نگارشات کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے اور ان تمام اصناف کی تاریخ اور تحقیق پیش کی گئی ہے۔ یہ تمام معلومات بہت محنت کا نچوڑ ہیں۔

باب چہارم میں بطور سیرت نگاران کی خدمت کو اعلیٰ پیرائے میں بیان کرنا مصنف کی حد درجہ عمدہ کاوش ہے۔ نعیم صدیقی کی سیرت نگاری سے قبل وہ تمام اردو زبان کے سیرت نگار اپنی اپنی سیرت کی کتب کے ساتھ حاضر ہیں جو اس میں کمال رکھتے ہیں خواہ وہ سید سلمان ندوی کی خطبات المدراس ہو یا چوہدری افضل حق کی حبیبِ خدا۔

سیرت نگاری کا یہ باب نہایت عرق ریزی سے لکھا گیا ہے اور متعلقہ طلبہ و طالبات اس سے بھرپور فائدہ حاصل کر سکتے ہیں کتاب کے باقی صفحات میں نعیم صدیقی کی اسلامی ادب ، فقہی ادب ، تاریخ فہمی، عصری مباحث، سیاست و تحریک پر نثری سرمایہ وغیرہ کے موضوعات پر سیر حاصل گفتگو ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ ان سب سے ایک ایک پیرا گراف آپ کی خدمت میں پیش کروں تا کہ تاریخ و ادب سے دلچسپی رکھنے والے اس سے بھرپور استفادہ حاصل کرسکیں مگر ہائے تنگی داماں! صرف ایک فقرہ حاضر ہے۔

''شیطان کی بڑی کامیابی یہ نہیں ہوتی کہ دو چار افراد کے افکار واعمال میں بگاڑ پیدا کردے، اس کی کامیابی یہ ہوتی

ہے کہ کسی معاشرہ کے اجتماعی ماحول کو فاسد بنادے۔اس کام پر شیاطین کو بڑی لمبی صبر آزما محنت کرنا پڑتی ہے''

نعیم صدیقی اپنے طرز اسلوب کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

''میرا بنیادی اسلوب بھی طنز کا اسلوب ہے۔''ان کے قلم کی کاٹ بعض اوقات اتنی تیز ہوتی تھی کہ ارباب اختیار کی برداشت سے باہر ہوجاتی۔ماہنامہ''چراغ راہ''میں ان کے طنزیہ مضمون''وزیراعظم نے نماز پڑھی''میں اسلام کی لپ سروس کرنے والوں کی خبر لی گئی تھی جس پر چھے ماہ کے بعد رسالہ دوبارہ شائع ہوا تو اس میں ایک طنزیہ مضمون''......نے روزہ رکھا''لکھا اور خوب لکھا۔

کتاب کا ٹائٹل سادہ مگر دیدہ زیب اور طباعت عمدہ ہے......نعیم صدیقی مرحوم کے مداحوں کے لئے ہی نہیں یہ کتاب تاریخ،فلسفہ،اردوادب اسلامی علوم سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے بیش بہا خزانہ ہے جس پر عبداللہ شاہ ہاشمی اور ان کے معاونین کرام بجا طور پر شکریہ اور مبارکباد کے مستحق ہیں

اگلے کالم تک کے لئے اجازت......خدا حافظ

اَسیرانِ اسلام کی عید

یہ چار جون 2009ء کا دن تھا جب امریکی صدر اوباما نے مسلم دنیا سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''میں اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہوں کہ تمام لوگ اپنی سوچ کے اظہار، حکومت کے معاملات پر اپنی رائے دینے اور اس کے سنے جانے، قانون کی حکمرانی، سب کے لئے یکساں انصاف اور ایسی حکومت کا حق رکھتے ہیں جس کے معاملات شفاف ہوں اور جو عوام سے کچھ نہ چھپاتی ہو...... یہ امریکی تصورات نہیں بلکہ انسانی حقوق ہیں۔ لہٰذا ہم ہر جگہ ان کی حمایت کریں گے، خواہ اس کی تحریک کہیں بھی اُٹھے۔''

انسانی حقوق کے نام نہاد دعوے دار امریکہ اور امن کا نوبل انعام حاصل کرنے والے صدر اوباما کے ان تمام اعلانات کے علی الرغم، حقائق کچھ اور ہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پوری دنیا پر حکومت کا خواب دیکھنے والے امریکہ نے جگہ جگہ جنگوں کی آگ بھڑکا کر عالمی امن کو شدید خطرات سے دو چار کر دیا ہے۔ یہ امریکہ ہی ہے جو فلسطین میں مسلمانوں کی نسل کشی کے لئے اسرائیل کو ہر طرح کی امداد فراہم کر رہا ہے اور کشمیر میں بھارت کے ناجائز تسلط کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ وطن عزیز پاکستان بھی صدر مشرف کے دور سے امریکی چراگاہ بنا ہوا ہے اور لاپتہ افراد کے مسئلے کے تانے بانے اسی سے جا کے ملتے ہیں۔

ہزاروں لاپتہ پاکستانی، جنہیں امریکی ایماء پر ایجنسیوں کے ذریعے اغوا کر کے جیلوں اور عقوبت خانوں میں پہنچایا گیا، اُنہی کی آہوں کا دھواں تھا جو کہ چیف جسٹس افتخار چوہدری کی بحالی کی نوید بن گیا۔ لاہور سے ڈاکٹر علی عبداللہ، کراچی سے ڈاکٹر عافیہ صدیقی اور سوفٹ ویئر انجینئر ماجد خان، راولپنڈی سے مسعود احمد جنجوعہ، غلام اسحاق خان انسٹیٹیوٹ کا سٹوڈنٹ فیصل فراز، پشاور سے منصور مہدی اور نجانے کہاں سے کتنے افراد غیر قانونی طور پر اُٹھوائے گئے، جنہیں اب ہم لاپتہ افراد کہتے ہیں ...... لیکن یہ لوگ لاوارث تو ہرگز نہیں ہیں۔ یہ اس پاک مٹی کا سرمایہ ہیں جس مٹی کو امریکی بُوٹوں نے روندروند کے گندا کر دیا ہے۔ نجانے کتنے دُکھی باپ ہیں جن کی آنکھیں حضرت یعقوبؑ کی طرح اپنی اولاد کے لئے روتے روتے، بینائی کھو رہی ہیں۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی والدہ کہتی ہیں:

''میں برآمدے میں بیٹھتی ہوں تو گیٹ کی طرف تکتی رہتی ہوں کہ ابھی میری عافیہ گھنٹی دے گی۔ میں دروازہ کھولوں گی اور تین بچے ماں سے لپٹے ہوئے گیٹسے اندر داخل ہوں گے ......اب فوزیہ کو مجھے کیپسول کھلانے پڑ رہے ہیں

جن سے دماغ کوسکون ملتا ہےمگر اب میری یادداشت پرفرق پڑ گیا ہے!''

؎ خدا نے صفت یہ دنیا کی ہرعورت کوبخشی ہے
کہ وہ پاگل بھی ہو جائے تو بیٹے یاد رہتے ہیں!

ڈاکٹر عافیہ صدیقی کیس کی خاص بات یہ ہے کہ پاکستانی حکومت چھیاسی سال عمر قید کی سزا دلوانے میں خود پیش پیش رہی ۔ امریکی عدالت کی طرف سے عافیہ کو دی گئی سزا کی دستاویز میں حکومتِ پاکستان کی طرف سے جاری کردہ خط بھی ملحق ہے جس میں عافیہ پر دہشت گردی کی دفعات لگانے کا مشورہ دیا گیا تھا۔

امریکہ میں تعینات پاکستانی سفیر حسین حقانی کا کردار بھی انتہائی گھناؤنا ہے جس نے جیل جاکے ڈاکٹر عافیہ کو دھمکیاں دیں اور خاموش رہنے کو کہا۔ یہ تو ہمارے ہم وطنوں کی بات ہے ۔ دنیا بھر میں معصوم مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جارہا ہے۔ابوغریب کی فاطمہ اورنور، کشمیر کی بیٹیاں، گوانتانا موبے، بلیک ہول جیل، فلسطینی عقوبت خانوں کے اسیر فرزاندان اسلام ...... ان کا ہم سے رشتہ کیا ہے ، یہی لاالہ الا اللہ!،اسی کلمہ طیبہ پرعمل کیپا داش کوان کا جرم بنا کے ،وقت کا فرعون یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ آج بھی وہ جس کو چاہے زندگی سے موت دے سکتا ہے لیکن شاید اُسے معلوم نہیں کہ اس نے عافیہ کوقید کر دیا ہے مگر ایوان ریڈلی اسلام کی حریت کی علامت بن چکی ہے امریکہ میں دین اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے۔ عالم اسلام میں انقلاب کی لہریں دوڑ رہی ہیں ،تخت ہلائے جارہے ہیں ۔لیکن ہمیں انقلاب کے عملی تقاضوں کو بھی سمجھنا ہوگا۔ عالمِ کفر کے اندھیر خانوں میں قید ، ہمارے وہ مسلمان بھائی اور بہنیں جن کوظلم وتشدد کی چکی میں پیسا جارہا ہے ، ان کی عید کیسی بے بس عید ہے ! اُن مظلوموں کی دُکھیاری آنکھیں ، ہماری راہ تکتی ہیں ۔ ان کو ظلمت کدوں سے چھڑوانا بحیثیت مسلمان ہماری ذمہ داری ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''جن لوگوں نے مومن مردوں اورعورتوں پرظلم وستم توڑا اور پھراس سے توبہ نہ کی یقیناًان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لئے جلائے جانے کی سزا ہے'' (البروج،15) نہ صرف حکومتی عہدے داروں بلکہ مسلمان وکلاءتنظیموں کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے مسلمان قیدیوں کو چھڑوانے کے لئے قانونی چارہ جوئی کریں اور عالمی عدالتِ انصاف جیسےاداروں میں کیس دائر کریں۔

اہلِ وطن کا سر بلند کرنیوالے

چند باہمت نوجوان

سترہ سالہ دانیال جس کے ایک انکار نے اسلام آباد کی اشرافیہ کو حیران نہیں بلکہ پریشان کردیا۔ انکار کا یہ واقعہ پاکستان نیشنل کونسل آف آرٹس کے ڈرامہ ہال میں 6 نومبر 2008ء کو پیش آیا، جہاں وفاقی دارالحکومت کے ایک معروف انگریزی میڈیم سکول کی تقریب انعامات جاری تھی، رمضان المبارک کے باعث یہ تقریب صبح دس بجے سے بارہ بجے کے درمیان منعقد کی گئی اور اتوار کا دن ہونے کے باعث ڈرامہ ہال طلبا و طالبات اور اُن کے والدین سے بھرا ہوا تھا، ان والدین میں شہر کے لوگ شامل تھے، اس تقریب پر مغربی ماحول اور مغربی موسیقی غالب تھی ...... اس دوران سکول کی طالبات نے جنید جمشید کے ایک پرانے گیت پر رقص پیش کیا، یہ گیت ایک سانولی سلونی کے بارے میں تھا، جو شہر کے لڑکوں کو اپنا دیوانہ بنا لیتی ہے، ادھر طالبات نے اس گیت پر دیوانہ وار رقص کیا۔ رقص کے بعد اسٹیج سے اولیول اور اے لیول کے امتحانات میں نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والے طلباء و طالبات کے نام پکارے جانے لگے، گولڈ میڈل حاصل کرنے والی بعض اسکارف اور برقعے میں ملبوس تھیں، ایک طالب علم ایسا بھی تھا جس کے چہرے پر نئی ڈاڑھی آئی تھی اور جب پرنسپل صاحبہ نے اس کے گلے میں گولڈ میڈل ڈال کر اس کے ساتھ ہاتھ ملانا چاہا تو دبلے پتلے طالب علم نے نظریں جھکا کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ پرنسپل صاحبہ نے پوچھا کہ کیا تم ہاتھ نہیں ملانا چاہتے؟ طالب علم نے نفی میں سر ہلایا اور اسٹیج سے نیچے اتر آیا، پھر دانیال کا نام پکارا گیا، جو اے لیول مکمل کرنے کے بعد ایک امریکی یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہے اور صرف گولڈ میڈل حاصل کرنے اپنے پرانے اسکول کی تقریب میں بلایا گیا تھا، وہ گولڈ میڈل وصول کرنے کے لئے پرنسپل صاحبہ کی طرف نہیں گیا بلکہ ڈائس پر جا کر کھڑا ہوا اور مائیک تھام کر کہنے لگا کہ وہ اپنے اسکول کی انتظامیہ کا بہت شکر گزار ہے کہ اسے گولڈ میڈل کے لئے نامزد کیا گیا، لیکن اسے افسوس ہے کہ اس تقریب میں طالبات نے رمضان المبارک کے تقدس کا خیال نہیں کیا اور واہیات گیت پر رقص کیا، اس نے کہا مسلمانوں کے ملک میں رمضان المبارک کے تقدس کی پامالی کے خلاف بطور احتجاج وہ گولڈ میڈل وصول نہیں کرے گا، یہ کہہ کر وہ اسٹیج سے اتر آیا اور ہال میں ہرط بونگ مچ گئی۔

کچھ والدین اور طلبا تالیاں بجا کر دانیال کی حمایت کر رہے تھے اور کچھ چیخیں، گیٹ آوٹ طالبان، گیٹ آوٹ طالبان!! ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مخالفین حاوی ہیں، کیونکہ وہ بہت زیادہ شور کر رہے تھے، لیکن یہ کھلبلی وفاقی دارالحکومت کی

اشرافیہ میں ایک اور واضح تقسیم کا پتہ دے رہی تھی ، یہ تقسیم لبرل عناصر اور بنیاد پرست اسلام پسندوں کے درمیان تھی۔ پرنسپل صاحبہ نے خود مائیک سنبھال کر صورت حال پر قابو پایا اور تھوڑی دیر کے بعد ہوشیاری سے ایک خاتون دانشور کو اسٹیج پر بلایا اور خاتون نے اپنی گرج دار آواز میں دانیال کو ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا کہ تم نے جو کچھ کیا وہ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کی تعلیمات کے خلاف تھا ، کیونکہ بانی پاکستان رواداری کے علمبردار تھے۔

پچھلی نشستوں پر براجمان ایک اسکارف والی طالبہ بولی کہ بانی پاکستان نے یہ کب کہا تھا کہ مسلمان بچیاں رمضان میں اپنے والدین کے سامنے سانولی سلونی محبوبہ بن کر ڈانس کریں؟ ایک دفعہ پھر ہال میں غل بلند ہوا اور اس مرتبہ بنیاد پرست حاوی تھے ، لہٰذا پرنسپل صاحبہ نے مائیک سنبھالا اور کہا کہ طالبات کے رقص سے اگر کسی کے جذبات مجروح ہوئے ہیں تو وہ معذرت خواہ ہیں ، اس واقعے نے اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا ، سفارت خانے نے فوری طور پر ایک ماہر تعلیم کی خدمات حاصل کیں اور اسے کہا گیا کہ وہ اسلام آباد کے پانچ معروف انگریزی میڈیم اسکولوں میں او لیول اور اے لیول کے ایک سو طلباء و طالبات سے امریکی پالیسیوں ، طالبان اور اسلام کے بارے میں رائے معلوم کریں ۔ سروے رپورٹ میں بتایا گیا کہ ایک عام گناہ گار مسلمان بھی شعائر اسلامی کی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔ اور اُس کے تحفظ کے لئے وہ ہر حد عبور کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔

ہارورڈ یونیورسٹی (Harvard University) امریکہ کے ہونہار طالب علم محترم صد خرم جنہوں نے 18 جون 2008ء کو نیشنل آرٹ گیلری اسلام آباد میں منعقدہ تقریب تقسیم اکیڈمک ایکسیلنس ایوارڈ میں مہمانِ خصوصی امریکی سفیر این پیٹرسن (Anne Patterson) سے احتجاجاً ایوارڈ وصول کرنے سے انکار کیا اور اُن سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ امریکہ صدر پرویز مشرف کی حمایت کرتا ہے جو غیر آئینی صدر ہے اور پاکستان کے عدالتی نظام کو تباہ و برباد کر رہا ہے۔ مزید برآں امریکہ ، ڈرون طیاروں کے ذریعے وزیرستان بالخصوص مہمند ایجنسی پر بمباری کر رہا ہے جس سے سینکڑوں معصوم اور بے گناہ افراد شہید ہوتے ہیں ، لہٰذا بحیثیت پاکستانی آپ سے ایوارڈ لینا میں اپنی ملی غیرت کے منافی سمجھتا ہوں۔

پنجاب یونیورسٹی لاء کالج کے سالانہ کانووکیشن کے موقع پر ایل ایل بی کے امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے والے محبّ وطن طالب علم محترم محمد شاہد جنہوں نے 11 اکتوبر 2009ء کو مہمانِ خصوصی گورنر پنجاب سلمان تاثیر (چانسلر پنجاب یونیورسٹی) سے احتجاجاً گولڈ میڈل لینے سے انکار کیا اور کہا کہ آپ اسلام آباد اور پاکستان کے مفادات کے خلاف بیانات دیتے رہتے ہیں۔ مزید آپ نے 12 مئی 2008ء کو کراچی کے شرمناک واقعات کی کوئی مذمت نہیں کی ، لہٰذا میں آپ سے ایوارڈ لینا اپنے ضمیر کے خلاف سمجھتا ہوں۔

OFP گرلز کالج اسلام آباد کی (اے لیول کے امتحان میں تمام مضامین میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے والی) غیور

طالبہ محترمہ اسما وحید جنہوں نے 22 جنوری 2010ء کو کالج میں امتحانات میں نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والی طالبات کے اعزاز میں منعقدہ ایک تقریب میں مہمان خصوصی ایم کیو ایم کے مرکزی رہنما اور وفاقی وزیر (سمندر پار پاکستانیز) ڈاکٹر فاروق ستار سے احتجاجاً سٹرفکیٹ وصول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ آپ کا شمار صدر پرویز مشرف کے قریبی ساتھیوں میں ہوتا ہے جس نے کئی بے گناہ پاکستانیوں کو بھاری ڈالروں کے عوض امریکہ کے حوالے کیا۔ ان میں ایک ڈاکٹر عافیہ صدیقی بھی شامل ہے۔ اس جرم میں آپ بھی برابر کے شریک ہیں، لہٰذا آپ سے ایوارڈ وصول کرنا میں اپنی ہتک محسوس کرتی ہوں۔

دی یونیورسٹی آف فیصل آباد سے ٹیکسٹائل انجینئرنگ میں تیسری پوزیشن حاصل کرنے والے، نیک بخت طالب علم محترم صاحبزادہ عطا رسول مہاروی جنہوں نے 16 نومبر 2009ء کو یونیورسٹی کے سالانہ کانووکیشن میں مہمان خصوصی گورنر پنجاب سلمان تاثیر سے احتجاجاً برونز میڈل وصول کرنے سے انکار کیا اور حقارت سے کہا کہ آپ نہ صرف گستاخانِ رسول کی سرپرستی کرتے ہیں، بلکہ توہین رسالت ایکٹ 295/C کو کالا قانون، اور اسے ختم کرنے کے بیانات بھی جاری کرتے ہیں۔ اس طرح آپ بذات خود توہین رسالتؐ کے مرتکب ہوئے ہیں، لہٰذا آپ سے میڈل وصول کرنا میں گناہ سمجھتا ہوں۔

اسلام آباد اور پاکستان کی سرحدوں کے ان سچے محافظوں کو جب میں دیکھتا ہوں تو اقبالؒ کی زبان میں سوچتا ہوں، ایسی چنگاری بھی یارب، اپنی خاکستر میں تھی!

ویل ڈن مائی ڈیئرز، ویل ڈن، وی آر آل پراوڈ آف یو!

پوری ملت اسلامیہ آپ کی دینی غیرت وحمیت پر آپ کو اور آپ کے والدین کو سلیوٹ کرتی ہے۔

غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاجِ سرِ دارا

بکریاں چَرانا

قائدانہ صلاحیتیں پیدا کرتا ہے

اپنی سیرت النبیؐ کی کلاس میں ہم نے پڑھا ہے کہ ہمارے حضرت محمدﷺ جب چار سال کے تھے تو اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ ملکر بکریاں چرانے جاتے تھے (سیرت ابنِ ہشام) پھر جب آپؐ مکہ آئے تو چند قیراط پر مکہ والوں کی بکریاں چرائیں (صحیح بخاری، اجارات، حدیث 2262) یہ سب تو ہم بچپن سے پڑھتے آئے ہیں لہٰذا مجھے حیرت اس وقت ہوئی جب ہماری اساتذہ نے بتایا کہ بکریاں چرانے کا عمل انسان میں بہترین قائدانہ صلاحیتیں پیدا کرتا ہے۔ چونک گئے ناں آپ بھی میری طرح!

دراصل میں اور میرے جیسے بہت سے تو مغربی قائدین سے متاثر ہیں۔ ہزاروں لوگ آج کی دنیا میں لاکھوں ڈالر خرچ کر کے لیڈرشپ ٹریننگ حاصل کرتے ہیں، ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں ہمارے خیال میں تو جب تک ہم نے stephan R.covey کی کتابیں نہ پڑھیں اور ان پر عمل نہ کیا تو ہم کامیاب انسانوں کی عادات سے ہی محروم رہ جائینگے۔ عجیب سی بات ہے۔ ہم اُن سے متاثر اور وہ اپنے تمام تر تعصّبات کے باوجود ہمارے نبیؐ کو دنیا کا سب سے کامیاب قائد ماننے پر مجبور مثلاً Michael Hart اپنی کتاب ''The100'' میں آپؐ کے بارے میں لکھتا ہے۔

''نہ آپؐ سے پہلے اور نہ ہی چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی کوئی آپؐ جیسا کامیاب انسان گزرا۔ یعنی ایسا جو مذہبی اور غیر مذہبی سیکولر دونوں سطحوں پر انتہائی کامیاب رہا ہو (صفحہ 3 ایڈیشن 1992)''

اور آپؐ نے بچپن میں بکریاں چرائیں یہی نہیں بلکہ آپؐ نے فرمایا ''کوئی بھی نبی نہیں گزرا مگر اس نے بکری ضرور چرائی ہے'')(صحیح بخاری، اطعمہ حدیث 5453) یعنی بکریاں چرانا انبیاء کی سنت ہے اور ہم سب جانتے ہیں کہ تمام انبیاء اپنے دور کے بہترین انسان اور کامیاب ترین قائد گزرے ہیں۔ یعنی بکریاں چرانے کے عمل نے ان کے اندر قائدانہ صلاحیتیں اجاگر کرنے میں ضرور کچھ کردار ادا کیا ہوگا۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ بکریاں چرانے والا کیسے ایک بہترین قائد بن سکتا ہے۔ جو کچھ میں نے اپنی کلاس میں سیکھا اور غور وفکر کیا اس کے نتیجے میں مندرجہ ذیل باتیں ذہن میں آئیں۔ آپ غور وفکر کر کے مزید باتیں سوچ سکتے ہیں۔

۱)۔ ایک راعی (بکریاں چرانے والا) Leader from behind ہوتا ہے۔ وہ اپنی بکریوں کے پیچھے رہ کر ان کی نگرانی کرتا ہے۔

۲)۔ مقصد کا تعین: راعی کے سامنے اپنا مقصد بہت واضح ہوتا ہے۔ یعنی وہ اپنی بکریوں کو ایسی چراگاہ میں لے جاتا ہے جہاں وہ جی بھر کر کھا اور پی سکیں چاہے وہ چراگاہ دور ہی

کیوں نہ ہو۔وہ روزانہ اپنے مقصد کی تکمیل کیلئے گھر سے نکلتا ہے۔

۳)۔نفس پر قابو: ایک راعی روزانہ صبح سویرے، وقت کی پابندی کے ساتھ گھر سے نکلتا ہے۔ تمام دن صبر وتحمل اور مستقل مزاجی سے اپنے کام میں مصروف رہتا ہے۔ اپنی بھوک و پیاس برداشت کرتا ہے۔ جو تھوڑا بہت میسر ہوتا ہے کھانے کو اسی پر قناعت کرتا ہے، موسم کی سختی برداشت کرتا ہے۔

۴)۔مہارت: روزانہ کی عملی مشق اُسے اپنے کام کا ماہر بنا دیتی ہے۔ وہ پورے ریوڑ کو اکٹھا رکھتا ہے اور اگر کوئی بکری ریوڑ سے الگ ہو تو اُس کو بھی گھیر گھار کر ریوڑ سے ملا دیتا ہے۔ مختلف راستوں، چراگاہوں اور موسم سے باخبر ہوتا ہے۔ غفلت اور سستی سے بچتا ہے کہ یہ اُس کے لئے نقصان دہ ہو سکتی ہے (بکری گم ہو سکتی ہے) اپنی مخصوص آواز اور انداز سے بکریوں کو قابو کرتا ہے۔

۵)۔محبت اور خیر خواہی کا رویہ: بکریاں چراتے ہوئے ایک راعی کو اپنے سامنے یا پیچھے دیکھنا ہوتا ہے۔ اس طرح وہ عاجزی اختیار کرتا ہے۔ اگر کوئی بکری گر کر زخمی ہو جائے تو اس کی فوری مرہم پٹی کرتا ہے۔ بکریوں کو جنگلی جانوروں سے بچاتا ہے۔ بدلتے موسم یا حالات کو دیکھتے ہوئے ان کی حفاظت کیلئے فوری فیصلے کرتا ہے۔

۶)۔غور و فکر: فطرت کے قریب ہونے اور زیادہ تر وقت تنہائی میں گزارنے کی وجہ سے اس کو نہایت یکسوئی سے کائنات پر غور و فکر کرنے کا موقع ملتا ہے اور وہ اللہ کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔

اسکے علاوہ مزید اوصاف جاننے کے لئے ہم کسی راعی کی زندگی کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ آیئے اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہم کیسے ایک راعی کا تجربہ حاصل کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہم کل سے بکریاں چرانے تو نہیں نکل سکتے۔ میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے۔ آپ مزید سوچ و بچار کر سکتے ہیں۔ تو جناب ''خیال'' یہ ہے کہ اگر ہم اپنے بچوں یا اپنے بہن بھائیوں کے بچوں، چھوٹے بہن بھائیوں، پڑوسیوں یا اپنی سہیلیوں کے بچوں (جو بھی مل جائیں) کے راعی بن جائیں، ان کی تربیت کیلئے Leader from behind بن کر ان کی نگرانی کریں، ان کے ساتھ ملکر، اگر وہ تھوڑے بڑے ہوں، اپنے اور ان کے مقاصد کا تعین کریں۔ پھر ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے محبت و خیر خواہی، مستقل مزاجی اور صبر وتحمل سے ان کی مدد کر سکتے ہیں۔ اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے روزانہ، وقت کی پابندی کے ساتھ سخت محنت و مشقت سے کام کریں اور اپنے کام میں ماہر ہو جائیں۔

بچوں کو ایک دوسرے سے اور اپنے گھر والوں سے جوڑے رکھیں تاکہ وہ اپنے ''ریوڑ'' سے الگ نہ ہو جائیں۔ خود کو اور انہیں فطرت سے قریب کرنے کیلئے، کائنات کا مشاہدہ کرنے کیلئے اور انہیں اور خود کو غور و فکر کی عادت ڈالنے کیلئے مختلف تجربات مہیا کرنے ہونگے۔ مثلاً کسی لان میں، کسی پارک وغیرہ میں پودوں، پھلوں ۔، پھولوں کا مشاہدہ، سمندر، دریا یا نہروں پر غور و فکر، مختلف جانوروں اور پرندوں کا مطالعہ، مختلف انبیاءاکرام کے حالاتِ زندگی پڑھنا اور سب سے بڑھ

کرخودان کا اپنی ذات اور اپنے اردگرد کے لوگوں کا مشاہدہ کرنا شامل ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں پرغور وخوض اوران پر شکرگزار ہونے کی عادت پیدا کرنا۔

سوچیں، اگر ہم اپنے بچوں کی تربیت میں وہ سارے اصول اپنائیں جو ایک راعی اپنی بکریوں کیلئے اپناتا ہے تو ہمیں دوہرا فائدہ ہے یعنی ہم اپنے ساتھ اپنے بچوں میں بھی قائدانہ صلاحیتیں پیدا کرنے کی کوشش کررہے ہوں گے۔

تو کیا خیال ہے آج سے شروع ہو جائیں بکریاں ......

اوہ اپنے بچوں کو چرانے!!

ریت کا ذرہ

''ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں''

لیکن انسان بھی عجب ہے ہر چیز میں تبدیلی دیکھتا ہے اور بچشم سر دیکھتا ہے لیکن ثبات کی چاہ میں نہ جانے کن کن حسد وحرص کے صحراؤں اور لالچ اور خودغرضی کی وادیوں کی خاک چھانتا ہے، اور چھانتا ہی چلا جاتا ہے سفر در سفر میں پھر پاؤں رپٹتا ہے تو خاک کا رزق بنتے دیر نہیں لگتی۔ زمین کے اندر خاک کی تہیں جائے مقام ٹھہرتی ہیں۔ بوسیدہ ہڈیاں کبھی باہر آ کر نصیحت کا باب کھولتی ہیں۔ میر تقی میؔر نے کیا خوب رباعی میں نقشہ کھینچا ہے کہ قدیم قبرستان میں جاتے ہوئے ایک کاسئہ سر پر پاؤں پڑ گیا اور وہ شکستہ ہو گیا تو آواز آئی

؎ آئی صدا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
میں بھی کبھی کسی کا سرِ پُر غرور تھا

زندگی آرزوؤں کی الجھنوں میں الجھنے کا نام نہیں ہاں آرزو کو ارادہ بنانے کی تگ ودو کا نام ضرور ہے۔ ارادے ٹوٹتے نہیں، حضرت علیؓ سے بہادر اور اولالعزم کے بھی ٹوٹتے تھے۔ رنگ برنگی تتلیوں اور بلبلوں کی طرح آرزوئیں ہوا میں اڑتی ہیں۔ لیکن عقل مند تو وہ ہے جو اپنی آرزوؤں کی تتلیوں پر اپنی مرضی کا رنگ کرے۔ اپنی آرزوؤں کو اپنے حاصل کا تابع رکھے کہ اگر آرزو حاصل سے آگے نکلتی ہے تو انسان افسردہ ہو جاتا ہے۔ سو مادی طور پر آرزو کی کمی انسان کو خوش وخرم رکھتی ہے۔ بڑے انسان تو ہوتے ہی وہ ہیں کہ جن کے مقاصد جلیل اور آرزوئیں قلیل ہوتی ہیں۔ اللہ کی رضا پر راضی برضا تسلیم کے خوگر ایسے لوگ چھوٹے کام بھی بڑے کام کی طرح کرتے ہیں کہ انہیں چھوٹے چھوٹے کاموں کا بھی بڑا معاوضہ ملنے کی امید ہوتی ہے۔

سو زندگی کے مقدر میں موت تو لکھی جا چکی ہے۔ زندگی میں ہم دنیا سے بہت کچھ لینا چاہتے ہیں اور لے کر کہیں بھاگ جانا چاہتے ہیں لیکن کیا ایسا کر سکتے ہیں؟ کیا خوب کہا گیا کہ ہم سب قلی ہیں سامان اٹھائے اٹھائے پھرتے ہیں۔ بس میں صرف اس قدر ہوتا ہے کہ سامان کو یہاں سے اٹھا کر وہاں رکھ دیں۔ سامان کا بھی عجب حال ہے...... پڑا ہے تو بیکار ہے، خرچ ہو گیا تو فائدہ ہے۔ لیکن ہم مال واسباب بچتے رہتے ہیں۔ پھر اس کو بچتے محفوظ کرتے کرتے ایک ایسا وقت آتا ہے کہ فرشتہ کہتا ہے کہ یہ مال واسباب اب تیرے لئے ختم ہو گیا۔ خرچ کیا نہیں لیکن ختم ہو گیا۔ ہم نے تو جمع کر کے رکھا تھا۔ خرچ کیسے ہو گیا؟ یہ راز منکشف ہوتا ہے تو معاملہ ہاتھوں سے نکل چکا ہوتا ہے۔

بابا فریدؒ بستی بستی پھرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ ایک بستی سے گزرے دیکھا ایک خوبصورت عورت ایک غریب عورت

پر ہاتھ اٹھا رہی ہے۔ بابا فرید نے رک کر پوچھا اس غریب کو کس بات کی سزا دے رہی ہو؟

بتایا گیا کہ یہ ملزمہ اس خوبصورت عورت کی ملازمہ ہے۔ جو اُسے سجانے اور سنوارنے پر مامور تھی۔ آج اُس نے اپنی مالکہ کی کنگی چوٹی کے بعد آنکھوں میں کاجل ڈالا تو کاجل کے ساتھ ریت کا کوئی ذرہ تھا جس نے مالکہ کی خوبصورت آنکھوں کو تکلیف دی اسی جرم میں سزا دے رہی ہے بابا فرید اپنے سفر پر گامزن ہو گئے۔ایک مدت گزر گئی۔ واپسی کے سفر میں دوبارہ اُس بستی سے گزر رہوا۔قبرستان میں انہوں نے ایک عجیب منظر دیکھا ایک چڑیا نے ایک انسانی کھوپڑی میں اپنے بچے دیئے ہوئے ہیں۔ چڑیا اپنی چونچ میں خوراک لے کر آتی ہے تو بچے کھوپڑی کی آنکھوں کے سوراخ سے اپنے منہ باہر نکالتے ہیں اور خوراک کھاتے ہیں۔انسانی کھوپڑی کے اس عجیب وغریب استعمال پر بابا فرید حیران ہوتے ہیں۔خیال اور مراقبے کے ذریعے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کھوپڑی اسی خوبصورت عورت کی تھی جو اپنی آنکھ میں ریت کا ذرہ برداشت نہ کر سکی تھی۔آج انہی آنکھوں میں چڑیا کے بچے بیٹھے ہیں۔بابا فرید نے اپنے اشعار میں کہا

جن لوئیں جگ موہیا سو بوئیں میں ڈٹھ
کجرا دیکھ نہ سنہدیاں تے پنچھی سوئے بٹھ

جو آنکھیں جگ کو موہنے والی تھیں آج میں نے وہ آنکھیں دیکھ لیں۔جن کو کاجل میں ریت کا ذرہ برداشت نہ ہوا، آج پنچھی کے بچے اُسی آنکھ میں بیٹھے ہیں۔

میری ماں

شفقت ومحبت سے بھری اس ہستی کی جدائی کے لمحات صدیوں پر پھیلے معلوم ہوتے ہیں۔

اپریل کا آخر آن لگا تھا، گرمی کی شدت بے حال کئے دیتی تھی اس پر طرّہ یہ کہ لوڈشیڈنگ نے زندگی اجیرن بنادی تھی۔ نیند کی کمی اور بےسکونی نے لوگوں کو اس قدر مضطرب کردیا تھا کہ ذہنی دباؤ کے پیشِ نظر چڑچڑا پن، بدمزاجی اور غصہ ان کے مزاج میں درآیا تھا، تندرست اور صحت مند لوگ بیمار پڑ گئے تھے بیماروں کا کیا شمار۔ ان کے لئے زندگی کی اذیتیں سانس کی ڈوری کے ربط کو برقرار رکھنے میں مانع تھیں۔ تیمار دار اُداس اور مایوس اپنے پیاروں کو دیکھتے اور کچھ نہ کرپانے کی بناء پر ایک دوسرے سے اُلجھتے اور جھگڑتے نظر آتے۔

میری ماں پندرہ دن سے صاحبِ فراش تھیں۔ پہلے تو کولہے کی طرف درد کی شکایت تھی مگر بعد میں ریڑھ کی ہڈی بھی متاثر ہوگئی اگر دبانے کی کوشش کرو تو آہیں چیخوں میں تبدیل ہوجاتیں۔ رفع حاجت کے لئے جانا بھی ممکن نہ تھا، وہ آنکھیں موندے پڑی رہتیں، جب کبھی آنکھیں کھولتیں تو چھت پر یا اردگرد بیٹھے لوگوں پر نظریں گاڑ دیتیں۔ غذا ان کی پہلے ہی نہ ہونے کے برابر تھی۔ بیماری کے بعد انہوں نے کھانا پینا بالکل ہی ترک کردیا۔ کسی ڈاکٹر کے پاس لے جانا محال تھا کیونکہ ذرا سی حرکت پر وہ تکلیف کا اتنی شدت سے اظہار کرتیں کہ مجھے خود اپنے جسم میں اس کا احساس ہوتا۔ پھر بھی قریبی ڈاکٹر سے حال کہہ کر دوا لائی جارہی تھی، جسے کھلانا پلانا بھی جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔

اپنی موت سے ایک ہفتے قبل جب شام ہی سے اُن کی بےچینی اس قدر بڑھی کہ کسی طور سکون نہ رہا تو ڈاکٹر کے مشورے سے خواب آور گولی پیس کر انہیں دے دی جس کے کچھ دیر بعد انہوں نے آنکھیں بند کیں تو پھر یہ آنکھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہوگئیں۔ سانس کی ڈوری تو چلتی رہی مگر میری ماں نیند کی آغوش میں ایسی گئی کہ پھر کبھی بیدار نہ ہو سکی حالانکہ وہ رات دیر سے سونے اور صبح جلدی اُٹھنے کی عادی تھیں اور بقول شاعر:

ایک مدت سے مری ماں نہیں سوئی تابشؔ
میں نے اک بار کہا تھا، مجھے ڈر لگتا ہے

اور پھر اگلے ایک ہفتے وہ زندگی وموت کی کشمکش میں مبتلا رہیں۔ مجبوراً ہم انہیں ہسپتال لے گئے۔ پوست واستخواں کا ایک اَنمیل سنجوگ جس میں زندگی گم گشتہ کشتی کی طرح راہ ٹٹول رہی تھی۔ اس حال میں جب انہیں اٹھایا تو درد وکرب کے احساس سے اُٹھنے والے نالے بھی خاموش تھے۔ ممکن ہے قوتِ گویائی بھی سلب ہوچکی ہو۔ میں نے کوشش کی کہ درد کے احساس سے بیدار ہونے والی پیشانی

کی لکیروں کے تغیر کو دیکھوں مگر شاید حساسیت بھی روٹھ کر جا چکی تھی۔ ہسپتال والوں نے داخل کرنے کی بجائے محض غذا کی نالی لگا کر گھر جانے کا مشورہ دیا۔ وہ ہستی جو ہمیشہ متحرک رہا کرتی تھی اب عضوِ معطل کی طرح گھر میں موجود ہوتے ہوئے بھی بے اثر معلوم ہوتی تھی۔

مجھے یاد آیا کہ جب قیامِ سکھر کے دوران جماعت اسلامی سندھ، بلوچستان کی ناظمہ اُمِ اجمل ان کے پاس پیغام بھیجتیں تو وہ کشاں کشاں گھر کے کاموں کو نمٹا کر ان کے پاس پہنچ جاتیں۔ ان کا تعلق دعوتِ اِلی اللہ اور تبلیغ دین کی خاطر تھا۔ وہ گھر گھر جاتیں اور درسِ قرآن میں شرکت کی دعوت دیتیں۔ سکھر کا گرم موسم اور پیدل چلنے کی مشقت کبھی ان کی راہ میں رکاوٹ نہ بنی۔ وہ جہدِ مسلسل کی طرح زندگی کو اُخروی کامیابی کی خاطر استعمال میں لاتی تھیں۔ پھر یہی درسِ قرآن ان کے قلب و ذہن میں اس طرح سرایت کر گئے کہ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد بھی ان کا اوڑھنا بچھونا بنتے چلے گئے۔ کسی بچی کے داخلے کا مسئلہ ہو یا کسی بیمار کے ساتھ ہسپتال جانے کا، وہ ہمہ وقت ایسے کاموں کے لئے تیار رہتیں معاشرتی ذمہ داریوں کے باوجود امورِ خانہ داری میں وہ اپنی مثال آپ تھیں۔ گھر کے کام سبک رفتاری سے کرتیں۔ کپڑے دھونا، صفائی اور کھانا پکانا اس ترتیب و تنظیم کے ساتھ کرتیں کہ کبھی ان کی دیگر مشغولیات سے متاثر نہ ہوتا۔ سب بہن بھائی اسکول پڑھنے جاتے، صبح کے ناشتے سے دوپہر کے کھانے اور پھر سونے تک کے مراحل میں ان کی رہنمائی شامل رہتی۔ وہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھتے ہوئے ہمیں بھی ذمہ دار بنا رہی تھیں۔ شام ہی سے توجہ دلاتیں کہ یونیفارم درست کرلیں، پین میں انک بھرلیں، کتابوں اور کاپیوں کو صحیح طور پر رکھ لیں، صبح تیاری کے وقت یا اسکول میں کوئی پریشانی نہ ہو۔ ہم بہنیں جب اسکول سے آجاتیں تو وہ باہر جانے سے روکتیں اور سلائی، کڑھائی اور بنائی میں مصروف رکھتیں۔ پھر کھانا پکانے میں ساتھ شامل کرنے لگیں۔ جب بڑی دعوتوں کا اہتمام ہوتا تو توجہ مبذول کراتیں کہ مستقبل میں یہ اہتمام ہمارے لئے کارگر ثابت ہونے والا تھا۔ اُس وقت تو بار باران کی توجہ دلانا طبیعت پہ گراں گزرتا تھا مگر جب میں ایک بڑے خاندان میں بیاہ کر گئی اور دعوتوں کے اہتمام میں ذمہ داریاں نبھائیں تو زبان زدِعام میری تعریفیں تھیں۔ لوگ کھانے کے ذائقے اور مصالحوں کے برمحل استعمال کو والدہ کی تربیت سے منسوب کرتے تو میں خوشی سے باغ باغ ہوجاتی۔

؎ تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا\
گھر مرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا

پھر پنجاب، بلوچستان اور سندھ کے سنگم پر آباد شہر سکھر سے ہمارا دانہ پانی اُٹھ گیا اور ہمارا خاندان کراچی کی طرف روانہ ہوا۔ اتفاق سے وہ بھی موسمِ گرما کے ایام تھے میری ماں کے پیر میں ایک دانہ نکلا ہوا تھا، جس سے درد کی ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ اس دوران انہوں نے ریلوے سفر میں رعایت کے لئے تعلیمی اداروں اور بکنگ آفس کے کئی چکر لگائے مگر رعایت نہ مل سکی۔ محض تکلیف سہنا ان کا مقدر رہا۔ قیامِ کراچی کے دوران بھی ابتدائی کئی برس تگ و دو میں صرف ہوئے۔ معاشی حالات کو بہتر بنانے کے لئے وہ ہمارے

ساتھ مل کر کپڑوں کی سلائی میں جُت گئیں ۔کرائے کے مکان آج یہاں کل وہاں، گھر کا سامان ڈھوئے پھرنا، اسی دوران میرا رشتہ آگیا، سب ہی پریشان تھے کیا کریں۔ گھر کی آمدنی محدود تھی ، جہیز اور دیگر لوازمات کا تصور ہی خون خشک کئے دیتا تھا۔ رشتہ کی ابتدا میں سنا کہ لڑکے والے جہیز نہیں لیں گے ۔مگر ہمارے گھر والوں کا خیال تھا کہ یہ محض رسمی جملہ ہے اور پھر جب یہ معاملات آگے بڑھے تو یقین ہوا کہ رسمی اور روایتی جملہ نہیں بلکہ میرے ہونے والے شوہر کا یہ حتمی فیصلہ ہے کہ وہ جہیز کو لعنت سمجھتے ہیں اور اس پر عمل کو یقینی بنانے کا عزمِ مصمم رکھتے ہیں ۔ یہ سن کر پورے گھرانے میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی ۔ یقیناً دنیا اچھے لوگوں سے خالی نہیں ۔

؎ جن سے مل کر زندگی سے عشق ہو جائے وہ لوگ

آپ نے شاید نہ دیکھے ہوں مگر ایسے بھی ہیں

میری شادی کے بعد گھر کے حالات بدلے اور پھر انہیں سر چھپانے کے لئے ایک گھر بھی مل گیا ۔ دو بھائیوں کی شادی ہوئی مگر ماں کے چہرے پر حزن و ملال ہنوز باقی تھا۔ دونوں چھوٹی بہنیں ابھی تک دہلیز کے اس پار بیٹھی تھیں ۔ ماں ان کے ہاتھ پیلے کرنے کے لئے ربِ کریم کے حضور سجدہ ریز ہو کر التجا کرتی رہتیں کہ یہی مومن کا ہتھیار اور سہارا ہے۔ پھر ان کی دعائیں بار آور ہوئیں اور یکے بعد دیگرے دونوں کے رشتے آ گئے ۔ یوں ان کے ذہن پر جو بوجھ تھا وہ ہلکا ہو گیا۔

میری دونوں چھوٹی بہنوں کی شادی کے بعد وہ خود کو بہت ہلکا محسوس کرتیں ۔ گھر کے کاموں میں ان کا انہماک و دلچسپی حسبِ سابق لوٹ آئی تھی مگر کبھی کبھی مصروفیت کے دوران دوپٹے کے پلو سے آنکھیں پونچھتیں جس پر کوئی پوچھتا ’’آپ آب دیدہ کیوں ہیں‘‘ تو دونوں بیٹیوں کا نام لے کر ایک آہ بھرتیں ۔ ان کا یہ دکھ بجا تھا کیونکہ میری دونوں بہنیں جیکب آباد اور علی پور بیاہ کر گئی تھیں ۔ شاید یہی وجہ رہی ہوگی کہ وہ خود کو گھر کے کاموں میں مشغول رکھتیں تا کہ ان دونوں کی جدائی کا احساس کم سے کم ہو سکے ۔

پھر جب انہوں نے مستقل بستر علالت سنبھال لیا تو حسرت سے کہتیں، کاش وہ دونوں آ جاتیں، اور پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ علی پور والی بہن کے آنے کا اچانک پروگرام بن گیا ۔جس کی اطلاع اور والدہ کی بیماری کا سن کر جیکب آباد والی بہن بھی آن پہنچیں ۔ انہیں دیکھ کر وہ مسرور و شاداں باغ و بہار ہو گئیں ۔ انہیں سامنے دیکھ کر بولیں ’’اب تم نہ جانا جب تک میں بیمار ہوں یہیں رہو‘‘ چہرے کی چمک دمک، رونق و شادابی تو لوٹ آئی تھی مگر جسم و جان سے جانے والی توانائی لوٹ کر نہ آسکی ۔ میری دونوں بہنیں اگلے دو ہفتے یہیں رہیں اور والدہ کی نصیحت کے مطابق اپنے سسرال نہ گئیں ۔ یہاں تک کہ قضاء کے فرشتے نے اپنا کام پورا کر دیا۔

؎ داستاں میرے لاڈ پیار کی بس ایک ہستی کے گرد گھومتی ہے

پیار جنت سے اس لئے ہے مجھے یہ مری ماں کے پیر چومتی ہے

بہن کی آمد سے گھر کے روز و شب کچھ بدل گئے پھر ہم تینوں نے مل کر ایک دن انہیں غسل دیا، صاف ستھرے سفید کپڑے پہنائے ، وہ بولیں کہ اپنی نند کو بلواؤ۔ جب شام گئے وہ آئی تو بولیں ’’مجھے قرآنِ کریم پڑھ کر سناؤ پھر ایک محفل سی سج

گئی وہ بڑے انہاک سے جنت اور دوزخ کے بارے میں سنتی رہیں، کبھی چہرے پر تغیر نمودار ہوتا تو کبھی بشاشت پھیل جاتی۔ پھر بولیں ذرا سورۃ رحمٰن کے مناظر تو بیان کرو۔جنہیں سننے کے بعد گویا ہوئیں ''یہی وہ راستہ ہے جسے میں نے اپنایا'' میری بیٹیو! تم بھی قرآنِ کریم سے اپنا تعلق برقرار رکھنا کیونکہ جب بھی کوئی مشکل آئی میں نے اسی میں پناہ ڈھونڈی۔

اپنی زندگی کی آخری شام، میری ماں کی بے چینی نا قابل بیان تھی ۔ ان کا اضطراب دیکھا نہ جاتا تھا ۔ہم بے بس اور مایوس ہوتے جا رہے تھے ۔دن بھر کی گرمی کے بعد شام کے لمحات بحیرۂ عرب سے اُٹھنے والی ٹھنڈی ہواؤں کی بدولت خنک ہو رہے تھے ۔مگر ماں کے چہرے کی بے چینی ہماری بے قراری میں اضافے کا باعث بن رہی تھی۔ وہ ماں جس کی شفقت ومحبت کے سامنے دنیا کے تمام خزانے ہیچ تھے اور جس نے تنہا ہم نو بہن بھائیوں کی پرورش کی تھی، آج ہم نو مل کر ان کے لئے تشفی کا سامان کرنے سے قاصر تھے وہ ماں جس نے نو ماہ تک اپنے جسم کا حصہ بنا کر پرورش کی اور پھر عہد طفلی میں چھوٹی بڑی بیماریوں میں جاگ کر راتیں گزاریں۔

آج کا دن میری ماں پر بڑا سخت گزرا تھا۔ وہ قوتِ گویائی سے محروم تھیں مگر چہرے کے اُتار چڑھاؤ اور پیشانی کی واضح لکیریں اس اذیت کا ادراک کرنے کے لئے کافی تھیں جس سے وہ گزر رہی تھیں ۔ممکن ہے یہ میرا خیال ہو کہ ان پر آج کا دن بڑا سخت ہے کیونکہ نو بچوں کی پرورش کے دوران کتنے ہی ایام آئے ہوں گے جب ان کا سکون غارت ہوا ہوگا، نیند ان سے دور رہی ہوگی، انہیں کسی کل چین نہ آیا ہوگا مگر یہ سب کچھ قصہ پارینہ ہے۔بچپن کی وہ یادیں ذہن کے گوشوں میں اب کھوسی گئی ہیں کہ جب رات رات بھر جاگ کر چھوٹے بہن بھائیوں کی تیمارداری میں ماں کو مصروف پایا تھا۔ یقیناً اس سے پہلے جب میں اور مجھ سے بڑے بہن بھائی بیمار ہوئے ہوں گے ان کی راتیں آنکھوں میں بیتی ہوں گی ۔وہ دوا بھی پلاتیں اور دعا بھی دیتی جاتیں ۔ان کی آنکھوں میں تھکن کے ساتھ امید کی چمک بھی عیاں ہوتی اور پھر دوا اور دعا بارآور ہوتی، بیمار صحت یاب ہو جاتے ۔مگر آج میری ماں جس طرح بستر پر بے حس وحرکت موجود تھی، دوا اور دعا ہر دو بے اثر معلوم ہوتے، چہرے لٹکے ہوئے تھے، کبھی کبھی اماں اماں کی صدا بلند ہوتی اور پھر جواب نہ پا کر سسکیاں آہوں میں بدلنے لگتیں ۔یہ دیکھ کر کہ ماں کی قوتِ سماعت موجود ہے بڑی ڈھارس بندھتی ۔ ہماری سسکیوں اور آہ وفغاں کے بعد ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے، وہ کراہتیں اور کبھی کبھی آنکھیں کھول کر پتلیاں ہلانے کی کوشش کرتیں ۔ ہر جانب سے سبحان اللہ، الحمدللہ اور اللہ تیرا شکر ہے کی صدائیں بلند ہوتیں مگر چند ہی لمحوں میں آنکھیں بند ہو جاتیں تو چہروں پر مایوسی اور ملال نمایاں ہو جاتے۔

نمازِ مغرب کے بعد میرے شوہر اپنے ڈاکٹر دوست کو ہمراہ لائے اور پھر ایمبولینس آ گئی مگر یہ کیا ...... چھوٹی بہن اسٹریچر سے چمٹ کر بلکتے ہوئے بولی ''انہیں نہ لے جاؤ، انہیں یہیں رکھو، یہ گھر سے چلی گئیں تو پھر نہ آئیں گی، ارے انہیں روکو، یہ روٹھ جائیں گی۔'' اسے اسٹریچر سے الگ کیا، وہ بولتی رہی۔ مستقبل کا خوف اس کے لبوں پر اظہار کی صورت جاری

تھا جس کا اندیشہ سب کو تھا مگر حجت تمام کرنے کے لئے ہسپتال تو جانا تھا۔

اماں آکسیجن کے سہارے سانس لے رہی تھیں مگر نظامِ تنفس خراب ہوتا جا رہا تھا اور پھر وہ گھڑی آئی جب چار ڈاکٹر ان کے گرد بے بسی سے کھڑے تھے پھر ایک ڈاکٹر کے منہ سے نکلا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مجھ سے سسکیاں ضبط نہ کی جا سکیں، ہونٹ بھینچ کر میں بھائی کے کاندھے سے جا ٹکی، نہ جانے کب بھائی نے کہا ''چلو ایمبولینس آ گئی۔'' میں گزشتہ شب کے واقعات یاد کرنے لگی جب چھوٹی بہن بضد تھی انہیں نہ لے جاؤ اور اس کا خوف سچ بن کر سامنے آ چکا تھا۔ سب بھائی آبدیدہ تھے اور چھوٹا بھائی جو کئی دن سے ان کی خدمت میں جُتا تھا، بڑا نڈھال اور غم زدہ تھا ،اس کی سرخ اور متورم آنکھوں سے اشکوں کی لڑی جاری تھی۔

؎ تجھ کو مثلِ طفلکِ بے دست و پا روتا ہے وہ
صبر سے نا آشنا صبح و مسا روتا ہے وہ

ماں کی میت اٹھائی جانے لگی، آہ وفغاں بلند ہوئی مگر محض سسکیوں تک تھی کیونکہ ماں کا درس یہی تھا کہ غم اور پریشانی میں صبر اور نماز سے مدد لو کیونکہ یہی کامیابی کی راہ ہے۔ چار مئی کی شام میری ماں کا جنازہ اٹھا تھا، میں تصورات جگا کر انہیں لحد میں اتارتے دیکھ رہی تھی۔ لوگ ان کے چہرے کو کعبے کی طرف کر رہے ہیں اور پھر قبر بند کر کے مٹی ڈالی گئی ہو گی، میری ماں کسی گور اندھیرے میں ڈوب گئی ہو گی، وہ منوں مٹی کے نیچے جا سوئیں۔ میرے رب کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کی لحد میں جنت کی ایک کھڑکی کھول دیتا ہے اور پھر باغِ ارم کی ٹھنڈی ہوائیں اسے خوش آمدید کہتی ہیں۔ یقیناً میری ماں ان نعمتوں سے سرفراز ہو رہی ہوں گی۔ (انشاءاللہ، آمین)

ماں کو رخصت ہوئے دو برس ہونے والے ہیں مگر شفقت و محبت سے بھری اس ہستی کی جدائی کے لمحات صدیوں پر پھیلے معلوم ہوتے ہیں۔ زندگی ایک نا تمام سفر ہے اور بس۔ اس کے کچھ حصے میں رنگ آمیزی ہو چکی بقیہ قرطاس ابھی رنگ کی آشنائی سے محروم ہے۔ جب یہ تمام سفر مکمل ہو گا تو فنا تمام شد لکھ کر اسے ماضی کا حصہ بنا دے گی۔ میں اپنے قلم کا سہارا لئے ماں کی زندگی کے ان خدوخال کو زندہ کرنے کی کوشش میں ہوں جو ذہن کے گوشوں میں اُبھرتے ہیں۔ ان حسرتوں، آرزوؤں اور ارمانوں کی اس خوابیدہ کہانی کا ہر روپ اُبھرتا ہے مگر وہ جو میری رہنما تھی اب یہاں نہیں۔

مثلِ ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

صحت مند زندگی کیسے!

ماحولیاتی صفائی سے مراد ہمارے ارد گرد موجود ہر اس چیز کی صفائی ہے جس سے ہماری زندگی کا کوئی تعلق ہے مثلاً ہوا، پانی و خوراک کا صاف ہونا، گھر کے اندر و باہر کی صفائی وغیرہ۔ گھروں سے باہر کوڑے اور گندگی کے ڈھیر اور نشیبی علاقوں میں کھڑا گندہ پانی مچھروں، مکھیوں اور دیگر بیماری پیدا کرنے والے کیڑے مکوڑوں کی افزائش کا ذریعہ بنتا ہے، ہر سال لاکھوں لوگ ان کی وجہ سے بیمار پڑتے ہیں اور ہزاروں موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ لہٰذا ان غلاظتوں کو جلدی دور کرنا چاہیے۔ کم از کم یہ ضرور کیا جائے کہ کھڑے پانی پر مٹی کا تیل چھڑک دیا جائے ممکن ہو تو گندے پانی کے گڑھوں کو مٹی یا ریت وغیرہ سے بھر دیا جائے اور کوڑے کے ڈھیروں پر کافی مقدار میں چونا ڈال دیا جائے۔ آلودہ پانی بیماریاں پھیلانے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ پاکستان میں ۸۰ فیصد بیماریاں آلودہ پانی سے متعلقہ اور ۴۰ فیصد اموات آلودہ پانی کے پینے سے واقع ہو رہی ہیں۔ پانی کی آلودگی سے پیدا ہونے والی بیماریوں میں ہیضہ، اسہال، پیچش، یرقان، ٹائیفائیڈ و پیراٹائیفائیڈ وغیرہ شامل ہیں۔ لہٰذا ان بیماریوں سے بچاؤ کے لیے صاف پانی کا استعمال لازمی ہے۔ آلودہ پانی کو جراثیم سے پاک کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔ آج کل مارکیٹ میں کئی قسم کے فلٹر دستیاب ہیں لیکن وہ غریب آدمی کی رسائی میں نہیں ہیں۔ سب سے کم خرچ بلکہ بلا خرچ طریقہ یہ ہے کہ پانی کو شفاف شیشہ یا PET پلاسٹک کی بوتلوں میں بھر کر دھوپ میں چھ گھنٹے تک پڑا رہنے دیں۔ سورج کی شعائیں جراثیم کشی کا کام کرتی ہیں۔ دوسرا کم خرچ طریقہ بلیچنگ پاؤڈر کا استعمال ہے اس کے لیے ۸۰ لیٹر پانی میں ایک گرام بلیچنگ پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور پھر آدھ سے ایک گھنٹہ تک چھوڑ دیں اس کے بعد پانی کو اچھی طرح چھینٹ لیں اور پھر استعمال کریں۔ تیسرا سب سے عام طریقہ پانی کو ۵ سے ۷ منٹ تک ابال کر صاف کرنے کا ہے مگر اس میں ایندھن کا خرچہ کافی آتا ہے۔

۱-خوراک کی صفائی:

اچھی صحت کے لیے خوراک کا صاف ہونا ایک بنیادی ضرورت ہے۔ کوشش کریں کہ آپ کی ترکاری تازہ ہو اور اگر فرج میں رکھی ہو تو بھی تین دن سے زیادہ پرانی نہ ہو۔ فریزر میں رکھے گئے سالن وغیرہ کو گرم کر کے استعمال کے بعد بچے ہوئے سالن کو دوبارہ فریز نہ کریں بلکہ اسے ابتدا ہی میں چھوٹے چھوٹے برتنوں میں تقسیم کر کے رکھیں

تا کہ ایک حصہ ایک ہی بار استعمال ہو سکے۔

سڑک کے اطراف سے پکی ہوئی بغیر ڈھکی خوراک، مشروب اور ایسے پھل جو دھوئے نہیں جا سکتے ہرگز نہ کھائیں۔ بازار سے تیار قیمہ نہ خریدیں کیونکہ اس میں گندا اور بچا کھچا گھٹیا گوشت استعمال ہوتا ہے۔ اچھے گوشت کا قیمہ اپنے سامنے بنوائیں۔ بازار سے گھی یا تیل میں تلی ہوئی چیزیں مثلاً سموسے، پکوڑے وغیرہ زیادہ استعمال نہ کریں کیونکہ ان میں وہی تیل بار بار کافی عرصہ تک استعمال میں لایا جاتا ہے جس سے اس میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔

ایک بہت اہم بات یہ ہے کہ گھر میں رکھے آٹے میں خاص کر برسات کے دنوں میں ڈھیلے سے بننے لگتے ہیں جو پھپھوندی لگنے سے بنتے ہیں۔ ایسے آٹے کو ہرگز استعمال نہ کریں۔ سبزیاں پکنے کے بعد جراثیم وغیرہ سے پاک ہو جاتی ہیں لیکن اگر کچی سبزیاں خاص کر سلاد ساگ اور بند گوبھی وغیرہ اچھی طرح سے صاف کر کے استعمال نہ کی جائیں تو ان سے (Food Poisoning) کا اندیشہ رہتا ہے۔ ان سبزیوں پر مختلف قسم کے بیکٹیریا، وائرس، پیراسائٹ اور پھپھوندیاں پائی جاتی ہیں جو مختلف بیماریوں مثلاً Cydospora, Hepatits-A, Hamburger Disease, Aspergillosis وغیرہ کا سبب بن سکتے ہیں۔ لہٰذا ان سبزیوں کو رواں پانی میں اچھی طرح دھوئیں اور پھر پنکی (پوٹاشیم پرمنگنیٹ) کے ہلکے گلابی لوشن میں آدھا منٹ ڈبو کر صاف پانی سے دھولیں یا آدھا چائے کا چمچ گھریلو بلیچ سلوشن ڈیڑھ لٹر پانی میں حل کر لیں اور سبزی کے پتوں کو اس میں چند سیکنڈ ڈبو کر صاف پانی سے دوبارہ دھولیں۔

<u>۲۔گھر کے اندر کی صفائی</u>

گھر کے اندر کسی قسم کا کوڑا کرکٹ وغیرہ جمع نہ ہونے دیں۔ روزانہ پورے گھر کی صفائی کیا کریں۔ فرنیچر، بستروں وغیرہ پر پڑی گرد سانس کی بیماریاں پیدا کرتی ہیں۔ ان کی جھاڑ پونچھ کے دوران اپنی ناک و منہ کو کپڑے سے ڈھانپ کر رکھیں اور بچوں کو اس سے دور رکھیں۔ بچی کچھی کھانے پینے کی چیزیں خاص کر رات کو کھلی کوڑے میں نہ پھینکیں۔ یہ بیماری پھیلانے والے کیڑوں کو دعوت دیتی ہیں۔ ان کو ڈھکن والی بالٹیوں یا پلاسٹک کے تھیلوں میں بند کر دیا کریں۔ صحت کے لیے باورچی خانہ اور غسل خانہ کی باقاعدہ صفائی ضروری ہے۔ ممکن ہو تو تمام گھر میں مہینہ میں ایک بار کسی کیڑے مار دوائی کا اسپرے کرا لیا کریں اور اس دوران اور اس کے کم از کم ایک گھنٹہ بعد تک کمروں سے باہر رہیں کیونکہ یہ دوائیاں بہت زہریلی ہوتی ہیں۔

(جاری ہے۔)

☆☆☆